یزید اور جنگ قسطنطنیہ

اس جنگ کے بارے میں حدیث بخاری کو بہانہ بنا کر ناصبی یزید کو مغفور بیان کرتے ہیں جس میں یہ فرمایا گیا

''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا۔ اس کی مغفرت کردی گئی۔''

(بخاری کتاب الجہادو السیر باب ما قیل فی قتال الرّوم ج4،ص: 125)

اس حدیث کی بجائے اگر محبان وشیعانِ یزید ایک دوسری روایت کو پیش کرتے تو ان کو زیادہ تکلف بھی نہ کرنا پڑتا اور ان کا ممدوح سیدھا جنت میں پہنچ جاتا وہ یہ کہ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ کو حرام کردیا جس نے اللہ کی رضا جوئی کیلئے لا الہ الا اللہ کہا۔''

تعجب ہے کہ یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں نہیں پیش کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ علماء ومحدثین نے اس کے ساتھ ہی وضاحت فرمادی ہے کہ جو صدقِ دل سے لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے تقاضے بھی پورے کرے، اس کیلئے یہ بشارت ہے ورنہ نہیں۔ لہٰذا ناصبی جو تاویل اس حدیث کی کریں گے، وہی تاویل پہلی پر بھی لاگو ہوگی۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفوائد ص: 17 پر لکھتے ہیں:

کہ بشارتیں نیک اعمال کے ساتھ مشروط ہیں۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یزید بشارتوں والی دو روایات سن کر زمرۂ مرجبہ میں شامل ہوگیا اور دل کھول کر گناہ

کئے جیسا کہ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8،ص:59 پر لکھا ہے۔
شیعانِ بنی امیہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول اور گناہ سب معاف، اسکی اطاعت، طاعت و معصیت دونوں میں واجب ہے۔"
حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کیلئے نیت بہت ضروری ہے یعنی جہاد صرف اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے اور دلی خوشی سے کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ یزید کی طرح والد کے دباؤ اور ڈانٹ ڈپٹ کا نتیجہ ہو جیسے ابن اثیر نے الکامل ج:3،ص:181-182 پر لکھا کہ مسلمانوں کا لشکر 49ھ میں جب غذقدونہ (روم) کے کیمپ میں بخار اور چیچک کا شکار ہوا، تو یزید نے جو بہانے بنا کر ساتھ نہ گیا تھا، شعر کہے جس میں کہا
"مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ غذقدونہ میں مسلمانوں کے لشکر کو بخار اور چیچک کا سامنا ہے جبکہ میں دیر مرّان میں گدوں پر اونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں اور میرے سامنے ام کلثوم ہے۔"
پھر جب معاویہ کو ان اشعار کی اطلاع ہوئی تو یزید کو قسم دے کر بہ اصرار روانہ کیا۔ یزید جہاد سے اتنا جی چراتا تھا کہ حکمران بنتے ہی موسم سرما کی بحری مہمیں ختم کر دیں۔ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8،ص:143)
اور جزیرہ روڈس اور اروار سے فوج واپس بلائی تو نصاریٰ نے ان جزیروں پر بغیر لڑے قبضہ کر لیا۔
(البدایہ والنہایہ ابن کثیر بسلسلہ واقعات وحوادث 53ھ، تاریخ طبری بضمن واقعات 54ھ)
مغفرت کی بشارت پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ یہ ہے:
"یہ اس شرط کے ساتھ مخصوص ہو گی کہ پھر بعد کی زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوتے ہوں جن سے مغفرت کی بجائے الٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ

سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں، بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو زائل نہیں کرتے۔ یزید بعد میں جن جن برائیوں کا مرتکب ہوا ہے یعنی قتل حسین علیہ السلام، مدینہ کو برباد کرنا، شراب نوشی پر اصرار وغیرہ، سب گناہوں کا معاملہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔" (شرح تراجم بخاری ص:31-32)

یزید کے جرائم کی فہرست امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہرہ انساب العرب ص:112 اور رسالہ اسماء الخلفاء و الولاۃ وذکر مددھم ملحقہ جوامع السیرۃ میں ص:357-358 پر مختصراً پیش کی ہے۔

علماء نے اسی حدیث سے مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ جہاد فاسق کی سرکردگی میں بھی ہوسکتا ہے مثلاً جیسا کہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ج:11، ص:65 اور امام ابوبکر جصّاص حنفی نے احکام القرآن ج:3، ص:47 پر تحریر فرمایا۔"

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حدیث میں اول جیش من امتی (میری امت کا پہلا لشکر) کے الفاظ آتے ہیں اور یزید کی زیرکمان جو لشکر قسطنطنیہ پر روانہ ہوا تھا، وہ وہاں حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بہت سے اسلام کے لشکر وہاں جاکر جہاد کر چکے تھے۔ یزید کس سن میں حملہ آور ہوا، اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف میں لیکن 49ھ سے پہلے کوئی مورخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا حتیٰ کہ ناصبیوں کے امام التاریخ محمود عباسی کا بھی خلافت معاویہ و یزید ص 73 پر یہی بیان ہے، اگرچہ اس نے بھی ص:79 پر 52ھ لکھا ہے۔

اور کتب احادیث کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ 49ھ سے بہت پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد کتاب الجہاد (ج:2، ص:305)

باب فی قولہ عزوجل ولا تلقو با ایدیکم الیٰ التھلکہ میں مذکور ہے کہ حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا ابن وہب من حیوۃ بن شریح ابن لہیعہ لمن اسلم ابی عمران کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کیلئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ

ہوئے، اس وقت لشکر کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ رومی فوج شہر پناہ سے پشت لگائے مسلمانوں سے جنگ کیلئے تیار تھی۔ اس اثنا میں مسلمانوں کی صف سے نکل کر ایک شخص نے دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے رکو رکو، لا الہ اللہ الہ، یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں اتری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی مدد فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا تو ہم نے کہا تھا اب ہم کو مدینہ میں رہ کر اپنے اموال کی خبر گیری اور اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ لہٰذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر ہمارا اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح کے خیال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا تھا۔ ابوعمران کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ راہ خدا میں مسلسل جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ آپ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔

یہ اس غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابوداؤد ہی نے کتاب الجہاد ج:2، ص: 375-374 کے باب فی قتل الاسیر بالنبل میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ جس سے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا امیر لشکر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حدثنا سعید بن منصور ثنا عبداللہ بن وھب قال اخبرنی عمرو بن الحارث عن بکیر بن الاشیج لمن ابن تعلی کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ ان کے سامنے دشمن کے چار ہٹے کٹے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل کرنے کا حکم انہوں نے دیا کہ ان کو باندھ کر قتل کر دو۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاد سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے

کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف بنایا گیا تھا۔ جب اس امر کی خبر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے فرمایا میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پھر آپ کے فرمانے کی اطلاع جب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو پہنچی تو انہوں نے اس کے کفارہ میں چار غلام آزاد کئے۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو 46ھ میں حمص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے **الاصابہ فی تمییز الصحابہ** میں انکا مفصل حال بیان کیا اور یہ تصریح بھی کر دی کہ حافظ ابن عسا کر نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ معاویہ کے دور حکومت میں ان کو رومیوں سے جنگوں میں امیر لشکر بنایا جاتا تھا۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ یزید کی 49ھ میں لشکر کشی سے پہلے کئی سال پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر 46ھ سے پہلے حملہ آور ہو چکے تھے۔

ابو داؤد کے سوا مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی صحیح سند کے ساتھ اس حملہ آور فوج کا قائد عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہی مذکور ہے۔

(1) جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری) ج:2،ص:118-119

(2) تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج:1،ص:330-331

(3) احکام القرآن للجصّاص ج:1،ص:326-327

(4) مستدرک حاکم ج:2،ص:84-85 اسے حاکم وذہبی دونوں نے شرط شیخین (بخاری مسلم) پر صحیح کہا۔

(5) الفتح الربانی شرح مسند احمد ج:14،ص:107 اور سلسلۃ احادیث صحیحہ ج:1، ص:18-19 حدیث نمبر 13 کے تحت بھی امیر لشکر کی بحث علامہ البانی نے کی ہے۔

سنن ترمذی کی روایت میں ''وعلی الجماعۃ'' فضالہ بن عبید کے جو الفاظ آ گئے ہیں ان کا وہم ہونا کئی وجوہ سے ثابت ہے۔ حیوۃ بن شریح کے تمام شاگرد ''وعلی اہل الشام'' فضالہ بن عبید کے الفاظ درست کر رہے ہیں۔ یہ الفاظ سند کے ساتھ ترمذی کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ہیں۔ اور محققین نے بھی ترمذی کی روایت کے وہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً تفسیر نسائی ج:1، ص:239 (حاشیہ) لہٰذا ہزار کتابوں میں بھی ترمذی کے حوالہ سے آئے تو کچھ فائدہ نہیں۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی بذل المجہود شرح ابو داؤد ج:11، ص:435 پر لکھتے ہیں کہ ان روایات سے ظاہر ہوا کہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید پورے لشکر کے امیر تھے۔ ابو داؤد کی پہلی روایت بالکل صحیح اور محفوظ روایت ہے کیونکہ اسلم ابو عمران، ابو داؤد، ترمذی، نسائی کے ثقہ راوی میں (تقریب التہذیب ص:135) یزید ابن ابی حبیب بھی ثقہ (تہذیب التہذیب ص:1073) حیوہ بن شریح بخاری کے ثقہ راوی (تہذیب ص:272) عبداللہ بن وہب کتب ستہ کے بنیادی راوی اور ثقہ حافظ عابد تھے (تقریب ص:556) ابن وہب پر ابن سعد کا الزام تدلیس ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے النکت علی ابن الصلاح ج:2، ص:637 پر رد کر دیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ بخاری کی حدیث مدینہ قیصر میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ ان تمام حملوں میں یزید شریک تھا، یا پہلے حملہ میں وہ شریک تھا۔

سب سے پہلے جس نے یہ شوشہ چھوڑا کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ وہ شارح بخاری مہلب المتوفی 433ھ تھا۔ وہ اندلس میں مالقہ کا قاضی تھا اور اندلس میں اس زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ لہٰذا مہلب موصوف کی ساری کارگزاری بنی امیہ کی حمیت میں تھی۔ (محدث قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، شرح بخاری، ج:5، ص:105)

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اس لشکر کے بارے میں جو روایت ہے اگر چہ بخاری اور مصنف عبدالرزاق میں ہے مگر اس کے سارے راوی شامی لوگ ہیں۔ ان راویوں میں سے ایک ثور بن یزید ناصبی (حضرت علی علیہ السلام کا دشمن) ہے۔ روایت کا شروع بھی شان رسالت کے قطعاً خلاف ہے۔ کسی اور مسلمان کو نہ مکہ میں اس کی خبر ہوئی نہ مدینہ میں کہ حضور علیہ السلام نے یہ اطلاع دی تھی۔ اس کو بنوامیہ کے دارالحکومت شام کے لوگ ہی بیان کرتے ہیں اور شامی بھی کیسا؟ ثور بن یزید الکلاعی! جو مدینہ آیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے کہا کہ کوئی نہ اس کے پاس بیٹھے نہ اس سے روایت لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی خالد بن عبداللہ القسری کی طرح ناصبی تھا اور کہتا تھا کہ میں حضرت علی علیہ السلام کو کیسے پسند کرسکتا ہوں جس نے میرے دادا کو قتل کیا تھا۔ حدیث کے بارے میں یہ اصول ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی خاص گروہ کے حق میں روایت کرے اور اس کا تعلق بھی اس گروہ سے ہو، اور اس کے علاوہ کوئی اس کی تائید نہ کرے، تو ایسی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ مثلاً کوئی شیعہ اہل بیت کی شان میں ایسی روایت بیان کرے جو اس کے علاوہ کوئی اور مسلمان روایت نہ کرے، تو چاہے وہ سچا ہو، مگر ہم اس کی روایت قبول نہ کریں گے کیونکہ شبہ ہے کہ اس نے عقیدے اور مسلک کی حمایت میں نہ گھڑ لی ہو۔

کربلا بدر کا بدلہ ہے

علامہ وحیدالزماں مترجم و شارح کتب حدیث بخاری المغازی باب فضل من شھد بدراً کی ایک روایت جو حضرت براء بن عازب سے ہے اور جس میں ابوسفیان کا قول نقل ہے کہ یوم احد اور اس نے کہا آج بدر کا بدلہ لے لیا، کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید پلید کے پاس آیا تو وہ مردود بھی یوں کہنے لگا کہ بدر کا بدلہ میں نے بنی ہاشم سے لے لیا، اگر یہ روایت صحیح ہو تو یزید کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ (ج:5،ص:257)

قریش کا یہ خاندان (بنوامیہ) لوگوں کو ہلاک کرے گا۔

مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعة باب ابن صیاد سے پہلے،

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کا یہ خاندان (یعنی بنوامیہ) لوگوں کو ہلاک کرے گا۔ صحابہ نے پوچھا پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے، فرمایا اگر لوگ ان سے الگ رہیں تو بہتر ہے۔ (ج:6،ص:442)

اس کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ ایسا نہ ہوا اور لوگ بنی امیہ کے ساتھ شریک ہوئے اور انہوں نے وہ ظلم کیے کہ خدا کی پناہ، امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا، مدینہ منورہ کو تباہ کیا، سینکڑوں صحابی لشکر یزید کے ہاتھ سے مدینہ میں شہید ہوئے۔ معاذ اللہ

امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم یزید نے خود دیا تھا

ابو حنیفہ دینوری کی الاخبار الطّوال میں ہے کہ یزید نے خود امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا۔

یزید کی اولاد

اس کے 15 میں سے تین بیٹے نیک تھے۔ ان تینوں کو تہذیب التہذیب میں صالح القوم اور خیار القوم کہا گیا ہے، وہ یہ تھے۔ عبدالرحمٰن بن یزید، خالد بن یزید، معاویہ بن یزید۔ یہ معاویہ بن یزید بن معاویہ، یزید کے مرنے کے بعد 40 دن کیلئے حکمران بھی بنا تھا۔ اس کا دور بہت اچھا تھا۔ بعض نے ان چالیس دنوں کو بھی خلافت راشدہ کا دور کہا ہے۔ خالد بن یزید کو علم کیمیا میں بڑی مہارت تھی اور وہ بڑا عالم ہوا ہے۔ خالد کی روایت ابوداؤد میں ہے جہاں مصری کرتے پہننے کا ذکر ہے۔

مقام یزید احادیث کی روشنی میں

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک حاکم ج:3،ص:148-149 پر ایک حدیث نقل کی ہے جس

کے بارے میں لکھا کہ مسلم کی شرط پر سند ٹھیک ہے اور مام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی کہ یہ واقعی صحیح مسلم کے معیار کی ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان خشوع وخضوع سے عبادت کرے، نمازیں پڑھے، اور روزے رکھے، اگر وہ خدا کے سامنے اس حالت میں پیش ہوا کہ وہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

ایسی حدیث اور کسی کے حق میں نہیں آئی۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ **سلسلة الاحاديث الصحيحه** ج:5،ص:643 حدیث نمبر 2488 باب تحریم بغض اہل بیت کے تحت یہ حدیث لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ہمارے اہل بیت سے اگر کوئی بغض کرے گا تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا، یہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حاکم اور ابن حبان نے روایت کی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب کردار

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت تو نہ کی مگر یزید کی بیعت پر نہ صرف خود مستقیم رہے بلکہ اہل خانہ کو بھی اس کی بیعت پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی جیسا کہ بخاری **كتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه** میں کہا کہ سب سے بڑی دغابازی یزید کی بیعت توڑنا ہے اور جو یزید کی بیعت توڑے گا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح **كتاب الاحكام باب كيف يبايع الامام الناس** عبداللہ بن دینار سے دو دفعہ روایت ہے کہ عبدالملک بن مروان جیسے ظالم کو بن کہے خط لکھ کر اپنے اور اپنے بیٹوں کی طرف سے بیعت کا یقین دلایا۔یہی روایت کتاب الاعتصام کے پہلے باب کے آخر میں بھی ہے۔حالانکہ انہی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب معاویہ نے کہا کہ اگر اس نے یزید کی بیعت نہ کی تو میں اسے قتل کر دوں گا تو سن کر رونے لگے۔

کیا حضرت علی علیہ السلام یزید اور عبد الملک جیسے ظالموں سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی بیعت کرنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہ ہوا؟ واقعہ حرہ کے دنوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف خود یزید کی بیعت پر کاربند رہے بلکہ خاندان کے علاوہ لوگوں کے پاس جا جا کر ان کو یزید کی بیعت توڑنے سے منع کیا۔

مسلم کتاب الامارت باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظھور الفتن وفی کل حال میں نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مطیع کے پاس جا کر یزید کی بیعت نہ توڑنے کو کہا۔

یزید پر لعنت کا مسئلہ

آپ پچھلے صفحات پر سلف صالحین کی رائے اس بارے میں پڑھ چکے کہ وہ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ جب اس مسئلہ پر غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث میں کسی جگہ تو پر آیا ہے کہ مردوں کو برا نہ کہو، کسی جگہ آتا ہے کہ مردوں کی اچھائیاں بیان کرو مگر کسی حدیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں نے شراب پی تھی، فلاں نے زناء کیا تھا وغیرہ اور عام طور پر بھی کتابوں میں گزرے ہوئے لوگوں کے حالات میں ان کی اچھی بری ساری باتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

اس سلسلہ میں صحیح موقف امام بخاری اور المحلیٰ میں امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ یہ کہ اگر تو مرنے والے نے کوئی ذاتی برائی کی جس کا اثر اسی تک تھا مثلاً شراب پی تو ایسی باتیں بعد میں دھرانی نہیں چاہئیں۔ اگر مرنے والے نے کوئی ایسا کام کیا جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑا مثلاً اس نے کوئی بدعت ایجاد کی، کوئی برا عقیدہ ایجاد کیا یا لوگوں پر ظلم کیا تو ایسے لوگوں کی برائیاں بعد میں بیان کر سکتے ہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایسا کیا گیا۔ ایک جنازہ جا رہا تھا تو لوگوں نے مرنے والے کی بہت تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی یعنی جنت، ایک اور جنازہ جا رہا تھا تو لوگوں نے اس مرنے والے کو برا کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی یعنی دوزخ، لیکن صحابہ کو روکا نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے

امت اور نظام دین کو برباد کیا، ان کی برائیاں برسر منبر بیان کرنا چاہئیں۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے المحلیٰ میں اور امام بخاری نے اس سلسلہ میں دو باب باندھے ہیں۔

امام تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تو صاف صاف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو یزید اور اس کے ساتھیوں کے ایمان میں بھی شک ہے، بجائے اس کے کہ اس کی صفائیاں دیتے رہیں، وہ کہتے ہیں کہ لعنت ہو اس پر اور اس کے ساتھیوں پر۔

بعض چالاک مولوی یہ کہتے ہیں کہ لعنت تو صرف کافر پر کرنی چاہیے۔ حالانکہ قرآن میں جھوٹوں پر بھی لعنت کی گئی اگر چہ وہ کافر نہیں لعنت کرنا دین کا حصہ ہے صرف یہ دیکھو کہ جس پر لعنت کی جا رہی ہے وہ اس قابل ہے کہ نہیں۔ جو بروں کو اچھا کہتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نیکوں پر صلاۃ بھیجتے ہیں اور بروں پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ شیطان کو بھی برا نہ کہو۔ اس پر مسلمان علماء نے لکھا کہ تم خدا کے دشمن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس پر یوم الدین تک لعنت فرماتا ہے اور تم اس سے منع کرتے ہو۔

ہم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ان پر لعنت کرو، جن پر اللہ تعالیٰ نے درود سلام بھیجا ان پر تم بھی درود وصلوٰۃ بھیجو۔

بعض یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم کو کیا پتہ کہ جس پر لعنت کر رہے ہیں وہ دوزخ ہی میں جائے گا یا جنت میں جائے گا۔ تو اس کے جواب میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ حنفی کہتے ہیں کہ جب ہم بددعا کرتے ہیں تو ہم کوئی حکم نہیں جاری کرتے کہ ایسا ہو جائے بلکہ ہم برے آدمی سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، بخشا جائے یا نہ بخشا جائے، وہ اللہ کی مرضی پر ہے۔ ہم کو صرف یہ حکم ہے کہ جب کوئی برا کام کرے تو بغض فی اللہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو برا کہیں یہ دین کے دو شعبے ہیں کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ۔ اگر کوئی غیر جانبدار رہتا ہے تو وہ خوشبو اور بدبو میں فرق کرنے سے عاری ہو چکا ہے۔

یزید اگر فرشتہ بھی ہوتا مگر وہ مسلمان امت کی رائے کے بغیر زبردستی حکومت سنبھالتا تو

وہ سب سے بڑا مجرم ہوتا۔اس میں کردار کی بات نہیں بلکہ اسلامی آئین کی بربادی کا تذکرہ ہے۔امیر معاویہ اور یزید کی اس رسم کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت کی رائے دریافت کرنا بالکل بند ہو گیا اور جس کا جی چاہے حکومت سنبھال لیتا ہے۔بعد میں یہ نوبت بھی آئی کہ پانچ چھ دن کا بچہ حکومت پر بٹھا دیا گیا اور ان کے لیے نگران مقرر رہوا۔امت کی رائے کی قطعاً کوئی اہمیت نہ رہی۔آج تک یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جو زبردستی یا فراڈ سے حکومت پر آ گیا،بس آ گیا۔امت کا شوریٰ کا نظام بالکل ختم ہو گیا۔اصل جرم یہ ہے۔

اب صفائی دینے والے یہ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کا نام اس میں آتا ہے لہٰذا چپ رہو۔ان بزرگوں کو خدا معاف کرے مگر وہ امت کا بیڑا غرق کر گئے کہ انہوں نے خلافت ختم کر کے بادشاہت شروع کر دی۔کسی کی نیکی اس کے ظلم پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔

رئیس اہلِ بغض وفساد ابن زیاد بدنہاد

امیر معاویہ کا مشیر اعلیٰ سرجون عیسائی تھا اور محکمہ تعلیم یوحنا عیسائی کے سپرد تھا یزید سرجون عیسائی کا باپ کی طرح ادب کرتا تھا۔اسی سرجون کے مشورہ پر یزید نے خبیث ابن زیاد کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی کی جگہ گورنر کوفہ مقرر کیا تھا۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے امیر معاویہ نے زیاد کی موت کے بعد صحابہ کے ہوتے ہوئے ابن زیاد کو گورنر مقرر کیا تھا۔(فتح الباری ج:13،ص:127-128)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''تقریب التہذیب''میں لکھتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد فاسق تھا اور بعض آئمہ نے اس کو کافر بھی کہا ہے۔(ص:170، مع حاشیہ تقعیب التھذیب از مولانا سید امیر علی شاگرد سید نذیر حسین محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

لعین ابن زیاد بدنہاد تھا

ابن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا بلکہ بہ اقرار خود ولد الزنا تھا جیسا کہ استلحاق زیاد کے تحت گزر چکا۔وہ جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے ابوسفیان کو اپنا باپ بتاتا تھا۔

بہت سے صحابہ وتابعین نے اس کے اس فعل پر نکیر بھی کی جن میں خود زیاد کے ماں شریک بھائی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ابن زیاد کے اس خاندانی پس منظر سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم کیلئے کیسے کیسے بدسرشت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا۔ یزید کو تجربہ ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مروان کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین علیہ السلام پر آمادہ نہ ہوسکا۔اسی لیے اس نے اس کام کو سرانجام دینے کیلئے اس شقی ازلی ابن زیاد بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے دکھا بھی دیا۔علامہ بدرالدین عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات کے سبب **عملۃ القاری شرح بخاری** میں اس کو لعین کہا ہے۔ (ج:7،ص:656)

ابن زیاد کا کوفہ میں آنا

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:281 تا283 پر لکھتے ہیں:

''ابن زیاد بھیس بدل کر رات کے وقت دھوکہ سے کوفہ شہر میں داخل ہوا۔ لوگ اس کو امام حسین علیہ السلام سمجھ کر تعظیم دیتے رہے۔وہ اسی طرح قصر امارت میں داخل ہوا اور شہر میں کرفیو نافذ کر کے کوتوال حصین بن نمیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا۔بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کر دیا۔ مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کو قسم کھا کر امان دی اور پاس بلا کر عروہ بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ سمیت محل کی چھت پر لیجا کر سر قلم کردیئے۔ لاشیں نیچے پھینک دیں۔ لاشوں کو رسے سے باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا گیا۔سر یزید کو روانہ کر دیئے۔ اگر یزید اس کارروائی سے ناراض ہوتا تو اسی وقت ابن زیاد کو منع کر دیتا۔مگر اس نے منع نہ کیا کیونکہ یزید جانتا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور امام حسین علیہ السلام میری بیعت سے انکار کر چکے ہیں۔''

ابن زیاد کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدتمیزی

امام بخاری نے میں کتاب الاحکام باب من استرعی رعیة فلم ینصح (حدیث نمبر 7151-7150 ج:9، ص:201-202) میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایات نقل کی ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کیلئے آیا تو حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت کی نگرانی سپرد فرمائے اور پھر وہ پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔

دوسری حدیث میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اتنے میں عبیداللہ بن زیاد بھی آ گیا۔ حضرت معقل نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جو حکمران بھی مسلمانوں کی کسی رعیت کا حاکم ہوا اور اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دغابازی کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت معقل رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ اگر میں سمجھتا کہ میری زندگی ابھی باقی ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان ہی نہ کرتا۔"

اور دوسری روایت جو کہ مسلم کتاب الامارہ باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر (ج:5، ص:121-122) میں ہے کہ "اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے بیان بھی نہ کرتا۔"

صحیح مسلم میں یہ حدیث کتاب الایمان باب استحقاق الوالی

الغاش لرعیة النار (ج:1،ص:235)اور کتاب الامارہ میں ہے۔
اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ یہ حدیث سن کر ابن زیاد نے معقل رضی اللہ عنہ سے کہا یہ حدیث آپ نے مجھ سے پہلے کیوں نہ بیان کی۔فرمایا بس میں نے تم سے بیان نہ کی۔
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث معقل رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد سے مرتے وقت بیان کی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عبید اللہ بن زیاد کو یہ حدیث فائدہ نہ دے گی۔ پھر انہوں نے خیال کیا کہ حدیث کا چھپانا بہتر نہیں۔اور نیک بات کو بتا دینا ضرور ہے اگر چہ وہ مانے یا نہ مانے،اس وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی میں بیان نہ کی کہ کہیں ایسا نہ ہو اس حدیث سے ایک فساد پھیلے لوگ ابن زیاد کو برا جان کر اطاعت سے پھر جاویں یا ابن زیاد معقل رضی اللہ عنہ کو ایذا پہنچائے کیونکہ وہ مردود ظالم اور جابر تھا اور اس نے اہل بیت نبوی علیہ السلام کی حرمت نہیں کی تو اور کسی کو اس سے کیا توقع تھی۔
(ج:1،ص:236 مسلم)
امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ یزید کے عہد حکومت کا ہے۔امام نے حدیث پہلے بیان نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ''وہ ابن زیاد کی سختی سے ڈرتے تھے۔جب موت کا وقت آ گیا تو چاہا کہ اس طرح ہی مسلمانوں پر سے اس کے شر کو کچھ رفع کیا جائے۔(فتح الباری،ج:13،ص:128)
یاد رہے کہ حضرت معقل رضی اللہ عنہ بن یسار اور جن صحابہ رضی اللہ عنہما کا ذکر آگے آ رہا ہے یعنی عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائز بن عمروؓ،تینوں بیت رضوان میں شامل تھے۔
حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ابن زیاد نے بدتمیزی کی۔
امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (بخاری کتاب الاحکام باب من

شاق شق الله علیه کے تحت) فتح الباری ج:13، ص:128 پر لکھی کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابن زیاد امیر معاویہ کے زمانہ میں حاکم بن کر آیا تو وہ ایک بے وقوف چھوکرا تھا اور نہایت بے دردی سے لوگوں کا خون بہایا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔ وہ ایک روز اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اس سے فرمانے لگے کہ "جو کچھ میں تجھے کرتے دیکھ رہا ہوں اس سے باز آجاؤ۔" (اب ذرا صحابی کا احترام ملاحظہ ہو) اس نے کہا تم ان باتوں میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟ وہ صحابی یہ بات کر کے مسجد میں چلے گئے تو ہم نے ان سے عرض کی کہ آپ برسر عام اس بے وقوف کے منہ کیوں لگتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میرے پاس علم تھا، میں پسند نے کیا کہ جب تک اس کا برسر عام بیان نہ کردوں۔ موت کے منہ میں نہ جاؤں، پھر تھوڑے دنوں کے بعد وہ بیمار ہوگئے اور اسی میں انتقال کر گئے۔ اسی بیماری میں ابن زیاد ان کی عیادت کو آیا تو پھر آپ نے اسی مضمون کی حدیث اس کو بیان کی۔

اس طرح کا ایک واقعہ مسلم کتاب الامارہ باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر میں۔ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی سے ابن زیاد کو سمجھانا شروع کیا تو اس بدنہاد نے بجائے نصیحت کا اثر لینے کے الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ

"حضرت عائذ بن عمرو نے جو صحابی تھے، ابن زیاد کے پاس آ کر فرمایا بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حکمرانوں میں سب سے براوہ ہے جو لوگوں کو پیس کر رکھ دے۔ تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہو۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں) بیٹھ جاؤ۔ تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پھوگ (بھوسی) ہو۔ یہ سن کر حضرت عائذ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کیا صحابہ میں بھی پھوگ تھا؟ پھوگ تو بعد میں آنے والوں میں ہے اور ان میں جو صحابی نہیں ہیں۔ (مسلم ج:5،ص:122)

اسی قسم کا ایک واقعہ ابوداؤد میں منقول ہے۔ **ابو داؤد کتاب السنة باب فی الحوض** میں منقول ہے جس میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ اسلمی صحابی کا قصہ ہے مسلم بن ابراہیم ابو طالوت بن ابی حازم ۔سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں اس وقت موجود تھا جب ابو برز رضی اللہ عنہ اسلمی رضی اللہ عنہ عبید اللہ ابن زیاد کے پاس تشریف لائے۔ جیسے ہی عبید اللہ کی نظر حضرت پر پڑی تو کہنے لگا (لو یہ) تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا (آ گیا)۔ آپ اس کی بات کو سمجھ گئے تو فرمایا ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں ایسے لوگوں میں رہ جاؤں گا جو مجھے صحابی رسول ہونے کا طعنہ دیں گے۔ اب ابن زیاد نے بات بدل کر ان سے کہا صحبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آپ کیلئے زینت ہے، عیب نہیں۔ پھر کہنے لگا میں نے آپ کی طرف اس لیے آدمی بھیجا تھا کہ آپ نے حوض کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ فرماتے سنا ہو۔ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ایک دو دفعہ نہیں (کئی بار) سنا۔ جو مومن (کوثر) کا انکار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے۔ اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں اس کے پاس سے چلے آئے۔'' (ج:3،ص:556)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ **بذل المجهود فی حل ابی داؤد** ج:5، ص:226 پر فرماتے ہیں:

''عبید اللہ ابن زیاد فساق میں سے تھا۔ اس لیے آپ (ابو برزہ) کو بطور تمسخر دحداح یعنی ٹھگنا موٹا کہا تھا مگر آپ نے اپنے بارے میں تو التفات نہ فرمایا۔ البتہ اس نے محمدی کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا۔ اس پر آپ کو غصہ آ گیا کیونکہ اس سے خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی کی توہین نکلتی ہے۔''

یہ تھا ابن زیاد کا طرزِ عمل صحابہ کرام سے اور عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس نے جو ظلم وستم ڈھایا، وہ ہر خاص و عام کو معلوم ہے۔

اس خبیث ابن زیاد کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ ص:45 باب اول در حدوث مذہب شیعہ میں لکھتے ہیں۔

''جب یہ خبر (خروج مختار و ابراہیم بن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ) عبدالملک بن مروان کو پہنچی۔ عبیداللہ بن زیاد کو مع ایک لاکھ سوار کے رخصت کیا۔ پس ابراہیم بن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ بارہ ہزار سوار سے اس کی لڑائی کو گئے۔ سخت مقابلہ پیش آیا۔ آخر، بہ برکت نامِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے، غالب ہوئے۔ ابن زیاد ملعون مارا گیا۔ اس سبب سے قدر مختار کی شیعوں کے ذہن میں بہت بڑھ گئی، بڑی ثناء وستائش کرتے تھے اور شیعہ مخلصین اہل سنت و جماعت بھی مروانیوں اور قتل ابن زیاد پر شکر الٰہی بجالائے'' (تحفہ کے ص:11 پر شاہ صاحب یزیدی گروہ کو اشقیائے شام اور ابن زیاد کو رئیس اہل بغض و فساد لکھتے ہیں۔ تحفہ اثناء عشریہ کے ص:12 پر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مختار نے ابن زیاد کو بہت لڑائیوں میں شکست دے کر آخر جہنم میں پہنچایا۔

صحابہ کے ساتھ ملعون ابن زیاد کی بدتمیزی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب دیکھیں کہ بعد از قتل امام حسین علیہ السلام بھی اس خبیث نے تمام شہیدا کربلا کے کٹے ہوئے سروں کی بر سرِ عام نمائش کی اور جامع مسجد کوفہ کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ بکواس بھی کی کہ ''اللہ کی حمد ہے جس نے حق کو اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر المومنین یزید اور ان کے گروہ کو اور کذاب ابن کذاب حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔''

پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی۔

(اس پوری داستان کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو طبری ج:4، ص:309تا 356، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:282تا 299، البدایہ و النہایہ ابن کثیر ج:8، ص:170تا204)

زیاد تو تھا ہی بدنہاد، اس کا کیا گلہ اگر یزید میں انسانی شرافت کی بھی کوئی رمق ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اس ملعون کی حکومت نے ان کے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا!

یہ واقعہ کربلا کا پس منظر ہے اور یہ کوئی وقتی اشتعال نہیں تھا۔ یہاں تک واقعہ کربلا کا پس منظر تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر جو ان صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائیں واقعہ کربلا پیش آیا اور نواسۂ رسول علیہ السلام نے بغیر کسی فوجی تیاری کے محض چند ساتھیوں کے ساتھ جان دیکر ایسا احتجاجی نوٹ ریکارڈ کرادیا کہ قیامت تک کے ظالم حکمران سندِ جواز سے محروم ہو گئے۔

تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

سیدنا امام حسین علیہ السلام اور واقعہ کربلا

گزرے ہیں اس جہان میں ایسے بھی کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا قاتل نہیں رہا

تاریخ کا مسافر ایسے ویرانے میں پہنچ کر حیران کھڑا ہے، جہاں ہر سو انسانوں کے کٹے ہوئے لاشے اور خون بکھرا پڑا ہے۔ لاشے نوجوانوں کے بھی ہیں اور معصوم بچوں کے بھی، بلکہ ایک طرف تو شیر خوار بچے کے حلق میں تیر اٹکا ہوا ہے۔ بھلا اس نے کیا جرم کیا ہوگا؟ دوسری طرف ایک سر ہے جو نیزے پر لٹکا کر فضا میں لہرا دیا گیا ہے۔ قریب چند خیمے ہیں، جنہیں آگ لگائی جا چکی ہے۔ اب ان خیموں سے آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔ ان خیموں میں وہ پاک باز عورتیں ہیں جن کے چہروں کو کبھی آسمان نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ وطن سے دور صحرا میں ان عورتوں کا واحد سہارا ایک فرد ہے اور وہ بھی بیمار جس کے کمزور ناتواں کندھوں پر ان عورتوں کی نگرانی اور کفالت کا بوجھ ہے، وہاں اس کی وراثت فقط بے گور و کفن لاشے ہیں جنہیں دفن کرنے کے لئے کوئی اس کا ساتھ دینے والا بھی نہیں۔ ذرا غور کیجئے! یہ خانہ ویرانی کس کی ہوئی؟ نیزے پر لہراتا ہوا سر کس کا ہے؟ خاک میں اٹے ہوئے یہ ہونٹ کس کے ہیں؟ ہاں! یہ وہی ہونٹ ہیں جنہیں وہ ہونٹ چومتے تھے جن سے وحی کے مقدس پھول جھڑتے تھے۔ یہ سر وہی ہے جسے جنتی جوانوں کی سرداری کا تاج پہنائے جانے کا وعدہ خود سردار دو جہاں نے دیا تھا۔ اب وہ سر تاج پوشی کیلئے تیار ہے۔ کٹنے والا یہ خاندان وہی تھا، جس کی رگوں میں اس نبی کا مقدس خون بہتا تھا جس نے زندگی بھر کسی کو ذرا تکلیف نہ دی تھی بلکہ پتھر مارنے والے کو جھولی پھیلا کر دعائیں دی تھیں۔

(مولانا محمد سلیم جباری، اہل حدیث عالم)

قبائے لا اِلٰہ خونیں قبائے است
کہ بر بالائے نامرداں حرام است

لا اِلٰہ کا لباس خون آلود لباس ہے جو نامردوں کے جسم پر حرام ہے

محرم کے مہینہ کو شہر اللہ المحرم یعنی اللہ تعالیٰ کا محترم مہینہ کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مہینے سارے اللہ ہی کے ہیں مگر اس مہینہ کی شان بڑھانے کیلئے اسے اللہ کا مہینہ فرمادیا گیا اور گھر سارے اللہ ہی کے ہیں مگر کعبہ شریف کو بیت اللہ فرمادیا گیا۔

ساری دنیا کے نئے سال خوشی سے شروع ہوتے ہیں مگر مسلمانوں کا سال سیدنا امام حسین علیہ السلام کی قربانی سے شروع ہوتا ہے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پر ختم ہوتا ہے۔ آل رسول علیہ السلام سے بغض رکھنے والے ذکر حسین علیہ السلام سے منع کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی دینی مسئلہ ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا حسینؑ صرف کربلا میں ہی شہید نہیں ہوئے بلکہ ان پر تیروں کی بارش اب بھی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کا سال قربانی سے شروع ہو کر قربانی پر ختم ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو پتہ چلے کہ ان کے قدم جس راستے پر ہیں وہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ دین کیلئے جان دے دینا ہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔

نہ می بینی کہ آں شاہ نکو نام
بدست سر بریدہ می دہد جام

تم دیکھتے نہیں کہ اللہ اپنی محبت کا جام ان کو پلاتا ہے جن کے سر کٹے ہوئے ہیں۔

اسلام کا اس طرح آغاز وانجام قربانیاں دینے اور پہلی قربانیوں کو یاد رکھنے کیلئے ہے۔

ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں تھا۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصلی حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا اور بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں پہنچ کر گم ہوگئی تھی، اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سر

فروشی سے مکمل کر دیا۔

اس بات کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسماعیلؑ

اسلام پر چلنا چاہتے ہو تو حجروں میں بیٹھ کر تسبیح گھما کر اسلام پر نہیں چلا جا سکتا۔ یہ دین جان مانگتا ہے جان بھی اس کی چاہتا ہے جو بے عیب ہو، جیسے ہم لوگ قربانی کیلئے بے عیب جانور تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے انتخاب میں تو غلطی ہو سکتی ہے مگر اللہ کا انتخاب بے عیب ہوتا ہے۔

در مسلخِ عشق جُز نکو را نہ کشند
لاغر صفتاں وزشت خو را نہ کشند

عشق کی قربان گاہ میں سوائے اچھے اور نیک لوگوں کے کوئی ذبح نہیں ہوتا، یہاں بری صفات والے اور بد خو قربان نہیں کیئے جاتے۔ برے لوگوں کو اس راہ کی توفیق ہی نہیں دی جاتی۔ کچھ دانش فروش ہوتے ہیں جو حکومت وقت کی کاسہ لیسی سے مال کماتے ہیں مگر کچھ جان فروش ہوتے ہیں، وہ سیدنا حسین علیہ السلام کی طرح حق کیلئے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں صرف انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی قربانی پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ نیک ہوتے تو کیوں مارے جاتے، تو یہ الٹ نتیجہ نکالنا ہے۔ نیک لوگوں کے خدا کی راہ میں قتل ہونے پر ہی تو قرآن مجید میں دو جگہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ مت کہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی اور مقام گرانے والے جب علمی دلائل سے زچ ہو جاتے ہیں تو پھر کہنے لگتے ہیں کہ چھوڑو جی! ہم نے اس واقعہ سے کیا لینا دینا ہے۔ جبکہ خود محرم میں جھوٹی کہانیوں سے بھرپور رسالے چھاپتے رہتے ہیں۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام کا واقعہ اسلامی تاریخ میں روشنی کا مینار ہے جس کو حکومتیں لوگوں

کے دل سے گرانا چاہتی ہیں، حکمران اگر چہ بظاہر اس کے حق میں اخباروں میں رسمی بیان دے دیتے ہیں۔ظالم حاکموں کیلئے امام حسین علیہ السلام ایٹم بم کی حیثیت رکھتے ہیں اگر وہ روح مسلمانوں میں پیدا ہو جائے کہ برے کے سامنے سر نہیں جھکانا تو یہ ظالموں کی موت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے تخت پر زبردستی بیٹھنے والا اگر فرشتہ بھی ہو تو شیطان ہے۔زبردستی بیعت لینا بذات خود سب سے بڑا جرم ہے اگر چہ وہ شراب نہ پیئے، بدکاری نہ کرے، نمازی ہو، حاجی ہو، تب بھی انتہاء درجہ کا بدمعاش ہے۔

قرآن کی تفسیر سمجھ ہی حسین علیہ السلام سے آتی ہے۔ جب امام حسین علیہ السلام کو سمجھا تو پتہ چلا کہ مسلمان طاغوتوں اور ظالموں کے سامنے سر جھکانے کیلئے پیدا نہیں ہوا۔ جب سے اہل سنت اور اہل حدیث نے یہ نظریہ اپنا لیا کہ متسلط اور متغلب بھی تخت پر بیٹھ جائے تو نظریہ ضرورت کے تحت اس کو تسلیم کرو، دین کی بربادی تب سے ہو رہی ہے۔ جس چیز سے یہ ڈرتے تھے کہ مقابلہ کیا تو خون ریزی ہوگی اس سے زیادہ خون ریزی ان ڈکٹیٹروں نے کی۔ ایک سے بڑھ کر ایک ظالم تخت پر بیٹھا اور امت آج تک بھگت رہی ہے۔حکومت امت اور جمہور کی ملکیت ہے۔اسلامی حکومت کو چلانے کیلئے جو لوگ آئیں گے وہ صرف اور صرف مشورہ سے آئیں گے، جس کی آج کل صورت ووٹ ہے۔موروثی حکومت کی سنت شنیع (براطریقہ) بنوامیہ کی ایجاد ہے۔

سوچیئے! ان ظالموں کے خلاف امام حسین علیہ السلام کیوں نہ نکلتے؟ امام علیہ السلام نے سوچا کہ آج نہ رسول کریمؐ موجود ہیں، نہ حضرت علی علیہ السلام نہ حسن علیہ السلام ہیں، صرف میں جانشین رسولؐ موجود ہوں اور یہ بات سب لوگ سمجھتے ہیں کہ میرے علاوہ ساری دنیا بھی کسی کی بیعت کرے تو اس کو وہ قانونی حیثیت نہیں ملے گی، جو میرے بیعت کرنے کے بعد حاصل ہوگی۔ اگر میں یہ اعلان کر دوں کہ یہ خلیفہ برحق ہے جو نماز نہیں پڑھتا، شراب پیتا ہے، تو میں نے دین رسول بیچ دیا۔ میں جان دے سکتا ہوں، میرے بچے مارے جا سکتے ہیں، میری بچیاں قیدی بن کر شہر شہر دھکے کھا سکتی ہیں مگر میں دین کو دفن نہیں کر سکتا۔

کانپ اٹھے ارض و سما دشت و جبل تھرّا اٹھے
خاک پر جس وقت تڑپا، فاطمہؑ کا لاڈلا

آج کے لوگوں کے لئے تو حسین علیہ السلام ایک نام ہے، مگر اس صدی کے لوگ تو جانتے تھے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا لگتا ہے اور ان کی بیعت کی کیا اہمیت ہے۔

امام حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام دونوں بھائیوں کیلئے متعلق ان دونوں کا قاتل یزید ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا کہ وہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں مگر ان کو آج کل کے ناصبی، نعوذ باللہ، احمق، مغرور اور نسلی غرور میں مبتلا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہی تھے تو جنت کے جوانوں کے سردار کس لئے تھے؟

وہ دونوں دورِ نبویؐ میں تو بچے تھے۔ انہوں نے اس وقت کون سا کارنامہ سرانجام دیا تھا جو ان کو اتنے بڑے مرتبہ کی نوید سنائی گئی، اگر امام حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کے بعد والے کارناموں کو غلط ٹھہرائیں تو ان کو کیوں جنت کے جوانوں کے سردار فرمایا گیا؟ اگر کسی بد نصیب اور احمق کے دل میں یہ خیال آئے کہ نانا نے محض نواسے ہونے کی وجہ سے تعریف کردی تو وہ کافر ہو جائے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اقرباء پروری کا الزام لگاتا ہے۔ اس پورے خاندان کے فضائل صحیح احادیث سے مناسب مقام پر مذکور ہوں گے۔

ذہن میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ باقی صحابہ نے اس وقت بغاوت کیوں نہیں کی؟ ہم اہل سنت کی کتابوں سے ان کا عذر بیان کر چکے ہیں کہ جب سر پر تلوار لٹک رہی ہو تو جان بچانے کی دین نے اجازت دی ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یزید کے فسق میں تو کوئی شبہ نہیں۔ صحابہ کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے عذاب ہے لہٰذا صبر کرو اور اللہ سے دُعا کرو لیکن امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا عزیمت کی راہ یہی ہے کہ میدان میں آؤ۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے جو اشعار کہے وہی ان کا مشن تھا۔

وَاِنْ كَانَتِ الابدانُ لِلموْتِ انُشئتْ
فَقَتل امرئی فی اللہ اَولیٰ و اَفْضَلُ

جب یہ بدن بنے ہی موت کیلئے ہیں تو پھر اللہ کی راہ میں موت بہتر اور افضل ہے

سیدنا حسین علیہ السلام سادہ لوح نہیں تھے جو لوگوں کے کہنے میں آ گئے۔ وہ بہت دانا تھے۔ وہ کوفہ میں رہ چکے تھے۔ وہ ایک ایک آدمی کو جانتے تھے۔ وہ لوگ ان کے والد کے ساتھی تھے۔ ان کے بارے میں امام علیہ السلام کو کوئی شبہ نہ تھا اور نہ ان لوگوں نے کوئی دھوکہ کیا۔ اس وقت ملوکیت کی شکل میں سب سے بڑی قیامت آ چکی تھی۔ جب یہ قیامت آ رہی تھی تو امت کی زبانیں گنگ کر دی گئی تھیں اور ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تو اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث امام حسین علیہ السلام ہی میدان میں آیا۔ اگر اسلام میں سے حسین علیہ السلام نکال دیا جائے تو اسلام کسی شے کا نام نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا احتجاج نوٹ کرا دیا کہ جو ہو رہا ہے، غلط ہو رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہوتا پھر بھی وہی رہا اور اس طوفان کا راستہ روکا نہ جا سکا، اور بہتر (72) ساتھیوں سے روکا جا بھی نہیں سکتا تھا۔ امام جانتے تھے کہ میرے باپ کو بھی ان لوگوں نے اپنی چالاکیوں سے بے بس کر دیا تھا، میرے بھائی حسن علیہ السلام کو حکومت چھوڑنا پڑی، اب کون میری مدد کیلئے آئے گا؟ نہ کوئی مدد کو آنے والا تھا نہ وہ اس امید پر نکلے تھے ناانصافی پر مبنی اکثریتی فیصلہ کو اکیلا جج بدل نہیں سکتا لیکن اختلافی نوٹ دے کر وہ تاریخ میں زندہ ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کو کالعدم قرار دینے کیلئے یہ ان کا آخری قدم تھا۔

جب خدا اور رسولؐ کے دشمن دنیا میں موجود ہیں تو حسین علیہ السلام کے دشمنوں کا کیا گلہ، دشمن اپنی موت مرتے رہیں گے، وہ زندہ ہے۔

علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام، امت کے پیشوا

دین کا ایک باب حضرت علی علیہ السلام نے مکمل کیا۔ وہ یہ کہ جب خلیفہ برحق ہو اور مسلمان گروہ بغاوت کر دے تو باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ یہ صرف حضرت علی علیہ السلام کے طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ برحق کو کیا کرنا چاہیے۔ مسلمان باغیوں سے کیا سلوک کیا جائے، ان کے قیدیوں سے کیا سلوک ہو، ان کے مُردوں سے کیا سلوک

ہو، ان کے اموال کے ساتھ کیا کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب امام کہتے ہیں کہ اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو یہ باب نامکمل رہ جاتا اور اس بارے میں وہی امت کے پیشوا ہیں۔ یہ ہدایہ میں ہے، سورہ حجرات کی تفسیر میں، فقہ میں کتاب البخاۃ اور احادیث میں ہے۔ اگر حسین علیہ السلام نہ ہوتے تو مسلمانوں کو یہ پتہ نہ چلتا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت بگڑ جائے تو اس کا کیا علاج کیا جائے اور بگڑے حکمران کا کیا حال ہے؟ اس بارے میں امت کے امام حسین علیہ السلام ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امیر معاویہ نے دین کا ستیاناس کر دیا۔ خود ارشاد نبوی ہے کہ خلافت تیس سال تک ہے اور پھر ملک عضوض ہے۔ اس ملک عضوض (کاٹ کھانے والی بادشاہت) کے مقابلہ میں ایک جوانمرد اٹھا جس کا نام حسین علیہ السلام ہے۔

شدیم خاک و لیکن زبوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مرد می خیزد

ہم خاک ہو گئے لیکن ہماری قبر کی خوشبو سے معلوم ہوگا کہ قیامت والے دن اس قبر سے کوئی جواں مرد اٹھے گا۔

امام حسین علیہ السلام کے برحق ہونے کی واقعاتی دلیل

آپ علیہ السلام برحق کے ہونے کی ایک واقعاتی دلیل یہ بھی ہے کہ جب آخری رات آپ علیہ السلام نے چراغ بجھا دیا اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تم چلے جاؤ، تمہیں کوئی نہیں روکے گا، ان کی دشمنی صرف میرے ساتھ ہے۔ مگر ان میں سے ایک بھی نہیں گیا۔ اگر وہ سمجھتے کہ امام علیہ السلام حق پر نہیں ہیں اور خواہ مخواہ ضد کر رہے ہیں تو ساتھی کیوں موت کا انتخاب کرتے، آپ علیہ السلام کے ساتھ تو بہتر (72) اس لفظ کو بہتر بھی پڑھیں تو بجا ہے یعنی وہ 72 بہتر بھی تھے، ساتھی تھے مگر رات کے پردے میں 100 کے قریب آدمی یزیدی لشکر سے آ کر امام علیہ السلام کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے بھی امام علیہ السلام کے ساتھ موت (دراصل دائمی زندگی) کا انتخاب بلا جبر و اکراہ بخوشی کیا۔ حتیٰ کہ ان کا کمانڈر حر رحمۃ اللہ علیہ بن یزید ریاحی، جو قافلہ امام علیہ السلام کو گھیر کر لایا تھا، وہ بھی صبح کے وقت گھوڑے کو ایڑ لگا کر آپ علیہ السلام کے پاس آ گیا

اور کہا امام! مجھے معاف کردیں، میں ہی قصوروار ہوں، اگر میں سمجھتا کہ یہ ظالم اس حد تک چلے جائیں گے، میں کبھی آپ کو گھیر کر نہ لاتا، اس نے معافی مانگ لی اور امام علیہ السلام کی طرف سے شہید ہوا۔ اس نے 1,000 سپاہیوں کی کمان چھوڑی اور موت قبول کی۔ آپ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ایک بھی ادھر نہیں گیا، ادھر سے اتنے لوگ آ گئے، یہی برحق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

جب ابن زیاد نے آپ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ خود کو اس کے حوالے کردیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

بزرگ فلسفۂ قتلِ شاہ دین این است
کہ مرگ سرخ بہ از زندگی ننگین است
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

دینی یا اقتدار کی جنگ؟

واقعہ کربلا کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دینی جنگ نہیں بلکہ اقتدار کی جنگ تھی۔ یہ الفاظ ہی کہنے والے کے ذہن کی تنگی اور دین سے بے خبری کی دلیل ہیں۔ صدیوں کے پراپیگنڈے نے لوگوں کو اس طرح مسحور کردیا کہ اپنی متاع مسروقہ کی پہچان تک بھول گئے۔ اقتدار تو وہ شے ہے جس کے بغیر اللہ کا دین قائم ہی نہیں ہوتا۔ قیامِ دین کیلئے اقتدار کوئی طعنہ نہیں ہے۔ ظالم خود فرعون کی طرح اقتدار سے چمٹے رہتے ہیں، مگر جب کوئی اللہ کا بندہ اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کے لئے اقتدار چاہتا ہے تاکہ اللہ کا دین نافذ ہو تو یہ لوگ وہی بات کہتے ہیں جو فرعون نے کہی تھی کہ موسیٰ و ہارون تو یہ چاہتے ہیں کہ مصر کی بادشاہی انہیں مل جائے۔

(سورۂ اعراف: 110/7، طٰہٰ: 57/20، الشعراء: 35/26)

فرعون نے یہ بات دراصل اپنے درباریوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہی تھی۔

طلب اقتدار کا طعنہ دینے والوں سے کوئی نہیں پوچھتا اگر اقتدار اتنا ہی شجر ممنوعہ اور گندی چیز ہے تو آپ مہربانی کر کے اس کو چھوڑ دیں۔

اس بارے میں پہلے تو آپ اپنا ذہن صاف کریں کہ **الاسلام و السلطان آخوان تو اَمانِ** یعنی اسلام اور طاقت دونوں جڑے ہوئے پیدا ہونیوالے بھائی ہیں۔ دونوں میں سے ایک نہ ہوتو دوسرا خراب یا ختم ہو جائے گا۔

اقتدار کی جنگ کا طعنہ دینے والوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اقتدار کی جنگ تو شروع سے ہی انبیاء کرام علیہم السلام لڑ رہے ہیں تا کہ اقتدار کفار اور بدمعاش لوگوں کے پاس نہ رہے، اگر سیاست دین سے الگ ہو جائے تو سوائے ظلم کے اور کچھ بھی نہیں اسلام کی مثال عمارت کی بنیاد کی ہے۔ اگر بنیاد نہ ہو تو عمارت گر جائے گی۔ حکمران کی مثال عمارت کے محافظ کی ہے، اگر وہ نہ ہو تو عمارت ضائع ہو جائے گی۔ اسلام میں ایسا حکمران درکار ہے جو وقت کا سب سے بڑا ولی، مرشد اور طاقتور حکمران ہو۔ قیامت کے دن سب سے بڑا انعام بھی امام عادل کو ہی ملے گا اور سب سے بڑی سزا ظالم حکمران کو ملے گی۔ جو سات گروہ اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے ان میں پہلا امام عادل ہے۔

اسلام اور عمل مسلمین الگ الگ ہیں

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کیوں ناکام ہوئے اور امیر معاویہ کیوں کامیاب ہوئے؟ صرف اس لئے کہ امیر معاویہ نے بیت المال کے دروازے اپنے حواریوں پر کھول دیئے۔ یہ حکمران کے پاس عوام کی امانت تھی جو لٹانا شروع کر دی۔ حتیٰ کہ حضرت علی علیہ السلام کے بھتیجے اور داماد، جو حضرت زینب علیہا السلام کے شوہر تھے یعنی عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو بھی ایک لاکھ درہم دے کر ساتھ ملا لیا۔ بعد میں یزید نے ان کو دو لاکھ سالانہ دینا شروع کر دیئے۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ سب کچھ دیکھ کر ہی اتنا بڑا اقدام کیا

کہ اب کوئی اور صورت باقی نہیں رہ گئی سوائے اس کے کہ اپنا احتجاج نوٹ کرادیا جائے۔ چونکہ لوگ بک چکے ہیں لہٰذا جان دے کر بتادیا جائے کہ سب کچھ غیر آئینی ہورہا ہے اور یہ کہ اسلام حکمرانوں کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ انہوں نے لکیر کھینچ دی کہ اسلام اور ہے اور مسلمان جو کچھ کرتے ہیں وہ اور ہے۔ اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کا نام ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اسی لیے لکھا کہ تاریخ مسلمین اور تاریخ اسلام الگ الگ ہوگئے۔

تمام انقلابی تحریکوں کے لئے نمونہ حسین علیہ السلام ہیں۔

تاریخ میں جہاں کہیں کسی بھی انقلابی تاریخ کا ذکر آئے گا، وہاں سیدنا امام حسین علیہ السلام کا حوالہ ساتھ ہی ملے گا۔ لوگ اٹھے ہی اس لیے اور جانیں دیں کہ ایک طرف مصلحت ہے، دوسری طرف عشق ہے جو کہتا ہے کہ جان دے دو تا کہ اعلیٰ اقدار اور اصول تباہ نہ ہونے پائیں۔ آپ نے بے سروسامانی اور کسی فوج کے بغیر اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت سے ٹکر لی اور بقول معصب بن زبیر رضی اللہ عنہ کسی حلال زادے کیلئے کوئی بہانہ نہ چھوڑا۔ جو لوگ سود وزیاں کا حساب لگاتے ہیں وہ اس راہ پر نہیں چل سکتے مگر جو اس سے بے نیاز ہوں، وہی تاریخ میں جگہ پاتے ہیں۔ جبکہ مصلحت بین کیڑوں کی طرح مرنے کے بعد بے نشان ہوجاتے ہیں۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

دیوانگان عشق اس لئے اقدار کی حفاظت کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں طاقت نہیں بلکہ حق طاقت ہے۔

اکثریت پر نہیں حق اور صداقت کا مدار
دے کے سر سمجھا گئے ہم کو حسینؑ ابن علیؑ

واقعہ کربلا کی اہمیت

اسلام کے عالمی مبلغ وداعی سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المرتضٰی میں لکھتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں اولادِ رسول علیہ السلام سے ہونے والے برے سلوک سے تمام مسلمانوں پر ذلت چھا گئی ہے۔ اس واقعہ کا وسیع پس منظر ہے، یہ کوئی وقتی اشتعال نہیں تھا، بات بہت پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے لوگوں نے اسے دین کا حصہ نہ سمجھا۔ حالانکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں حدیثوں میں پیش گوئی اور بعداز شہادت روح پاک نبوی پر ہونے اثر کے متعلق صحیح احادیث کو مدنظر رکھا جاتا تو معلوم ہوتا کہ یہ کوئی سیاسی نہیں بلکہ دینی جنگ تھی۔ کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو کمائی کا ذریعہ بنالیا اور کچھ نے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ اس میں بڑے بڑے لوگوں کا نام آتا ہے بات کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کسی نے نہ کی۔ صاف بات یہ ہے کہ جس نے حسین علیہ السلام کا واقعہ نہیں سمجھا، اس کو اسلام کی سمجھ نہیں آسکتی۔ یہ صرف ایک شخصیت کا واقعہ نہیں بلکہ عین اسلام ہے۔ خدا کے سارے نبی علیہم السلام جس بات کو لے کر دنیا میں آئے وہ خلافت اسلامیہ کا قیام ہے۔ وہ صرف پوجا پاٹ کرانے کیلئے تشریف نہیں لائے۔ ان کے مشن کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید :25/57 میں فرمایا: ''ہم نے کتاب بھی اتاری اور لوہا یعنی طاقت بھی'' کیونکہ اسلام حکومت کے بغیر بالکل یتیم ہے۔ اسلام حکومت کے بغیر وعظ ونصیحت ہوسکتا ہے، جس کی مرضی مانے، جس کی مرضی نہ مانے۔ خلیفہ المسلمین صرف ایک حکمران نہیں بلکہ نائب رسولؐ ہے۔ اس نے وہ سارے فرائض ادا کرنے ہوتے ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک زندگی میں ادا فرماتے تھے۔ وہ دین کا سب سے اعلیٰ نمونہ اور سیرت رسولؐ کے سب سے قریب ہوتا ہے، اسی لیے خلیفہ کو امام کہا گیا ہے۔ امام عربی میں اس دھاگے کو کہتے ہیں جو معمار لوگ دیوار کو سیدھا رکھنے کے لئے، تعمیر کے وقت دونوں سروں پر باندھ دیتے ہیں۔ اگر اس میں ٹیڑھ آجائے تو ساری عمارت ٹیڑھی ہوجائے گی۔

جب یہ امت غلط موڑ مڑ رہی تھی تو بدقسمتی سے لوگوں نے فرزند رسول علیہ السلام کا ساتھ

نہیں دیا۔ اگر ساتھ دیتے تو خرابی وہیں ختم ہو جاتی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ایک سے بڑھ کر ایک بدمعاش حکمران بنا۔ واقعہ کربلا ایک کہانی نہیں بلکہ نظام شریعت کو سمجھنے کیلئے، نظام شریعت کا قیام، غلبہ اسلام اور پوری دنیا میں دین کو قائم کرنے کے لئے، جو مسلمانوں کا اصل فریضہ ہے، بہت ضروری سبق ہے جب تک مشرق سے مغرب تک اسلام حکمران نہ بن جائے، مسلمانوں کو آرام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث میں ارشاد رسولؐ ہے کہ ساری زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔ جب تک اس مسجد کا کوئی حصہ کفار کے قبضہ میں ہے مسلمانوں پر آرام حرام ہے۔

الحذر اے گردشِ نہ آسمان
مسجد مومن بدست دیگراں؟

زمانے کے اس نئے انقلاب سے پناہ! کہ مومن کی مسجد (زمین) کفار کے قبضہ میں ہے؟

دین صرف غلبہ کا نام ہے، غلام کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ اس لیے مسلمانوں کو قرآن مجید میں حکم دیا گیا، جو کفار کے علاقہ میں رہتے تھے، کہ یا تو وہاں سے ہجرت کرو یا وہاں اسلام کے غلبہ کی کوشش کرو ورنہ منافقوں میں شمار ہو گے۔

(سورۂ نساء: 97/4) میں مکہ میں رہنے والے مسلمانوں، جنہوں نے ہجرت نہ کی تھی، بوقت حالت نزع فرشتوں کا مکالمہ نقل ہوا ہے جو سب مسلمانوں کیلئے نصیحت آموز ہے۔ ان لوگوں کو جو کفار کی ماتحتی میں رہ رہے تھے اگرچہ دورِ نبوی کے مسلمان تھے، دوزخ کی سزا سنائی گئی ہے۔ اسلامی حکومت کو سمجھنے کی کوشش کریں، یہ شرک اور توحید کا مسئلہ ہے اور یہ شرک سے کم نہیں کہ خدا کی زمین پر بندے حکومت کریں اور اپنی من مرضی سے حکومت کریں۔ اسلامی حکومت میں خلیفہ من مرضی نہیں بلکہ خدا کی مرضی کے مطابق حکومت چلاتا ہے اور خود کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھ کر حکومت کرتا ہے۔ اسی لیے وہ عوام سے زیادہ قانون کا پابند ہوتا ہے۔

جب حکومت خدا کے قانون سے آزاد ہو جاتی ہے تو طاغوت بن جاتی ہے اور جو اس کی فرماں برداری کرتے ہیں وہ بت پرستی کرتے ہیں۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے اپنے خون سے لکھ دیا کہ اگر کلمہ گو بھی حکومت کرے مگر خدا کے قانون کے مطابق نہ کرے تو وہ بت ہے اور مشرک ہے۔ یہ تو سیکولرازم ہے کہ دین عبادت خانوں میں رہے اور حکومت کو اپنی مرضی کرنے دو۔ یہ بہت بڑا فتنہ اور شرک ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کا شرک یہی تحاکم الی الطاغوت بیان ہوا ہے۔ جب کوئی حکمران یا عدالت خدا کی کتاب کو چھوڑ کر فیصلے دیتی ہے تو وہ طاغوت اور بت ہے اور جو ایسے حکمران یا ایسی عدالت سے فیصلے کراتا ہے وہ مشرک ہے۔ کربلا دین کی بنیاد اور لا الہ الا اللہ کی تشریح ہے کہ حکمران کو دین سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔ جب یہ فتنہ آیا اسلام تباہ ہوا۔ اس عظیم واقعہ کی حقیقت شیعہ سنی کش مکش میں چھپ کر رہ گئی۔ نواسۂ رسول علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ یہ نہ سوچا کہ ایسا کیوں ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ دین کو برباد کیا بڑے بادشاہوں نے، بڑے درویشوں نے اور بڑے علماء نے

واقعہ کربلا دو شخصیتوں کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے دفاع کیلئے جان دینے والوں اور ظالم کے مسلمانوں کا سربراہ بن جانے کی دو علامتیں ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں جہاں نماز روزے کے احکام میں وہیں حکومت کرنے کے احکام بھی ہیں اور اس کی فرماں برداری کی حدود بھی بیان ہیں کہ کب تک حکومت کی تابعداری کی جائے گی۔

توحید یہ ہے کہ کسی بندے کو خود پر حکومت نہ کرنے دو بلکہ خدا کا قانون حکومت کرے۔ یہ بات مسلمانوں کے ذہنوں سے بڑی محنت سے نکالی گئی ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو آ جائے اسے سلام کرو۔ ظالموں سے تعاون کرنے میں حسین علیہ السلام کے نام لیوا سب سے آگے ہیں اور وہ وقت کے ہر یزید کا ساتھ دیتے ہیں۔

آساں نہیں ہے معرفتِ راز کربلا
دل حق شناس دیدۂ بیدار چاہیے

امام حسین علیہ السلام کے قاتل کون تھے؟

حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے والوں اور امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والوں کا شجرہ نسب دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں۔ ان کے بڑے کس کس جنگ میں علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے؟ تو یہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا کہ یہ بعد کی بات نہیں یا حکومت کی رٹ قائم کرنے کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ دیرینہ دشمنی تھی۔ دونوں فریق سات پشتوں سے مدمقابل تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اس کے ساتھ ساتھ واقعہ حرہ جو آپ پڑھ چکے ہیں، کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ انصار رضی اللہ عنہم سے پرانے بدلے لیے جا رہے ہیں۔ یزید پاگل نہیں تھا بلکہ اس نے بدر میں اپنے بڑوں کے قتل کا بدلہ لیا۔ ادھر سیدنا حسین علیہ السلام کا اقدام بھی کڑھی کا وقتی ابال نہیں تھا بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ اسلام کو لگاتار نقصان پہنچاتے چلے آرہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ کفار کی اولاد گو کلمہ پڑھ چکی ہے مگر پرانی دشمنی اور قتل ان کو بھولے نہیں۔ ان کے بڑے علی علیہ السلام و انصار کی تلواروں سے قتل ہوئے تھے، وہ یہ کیسے بھول سکتے تھے۔ جنگ بدر کے مقتولین ہی دیکھ لیں! ستر میں سے چوبیس کافر حضرت علی علیہ السلام نے قتل کئے۔ علی علیہ السلام کی تلوار کفار کیلئے مصیبت بن گئی۔ جن لوگوں کے نانا اور بھائی ان کی تلوار سے قتل ہوئے، انہوں نے بدلہ تو لینا ہی تھا۔ امیر معاویہ کا بھائی حنظلہ، امیر معاویہ کا نانا عتبہ اور ہند کا باپ، علی علیہ السلام کی تلوار سے بدر میں قتل ہوئے۔ عقبہ بن ابی معیط، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اوجھڑی ڈالی تھی، وہ بھی بدر میں علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا فاسق بیٹا ولید بن عقبہ گورنر بن گیا تو علی علیہ السلام کی شامت تو آنی ہی تھی۔

جب بات حسین علیہ السلام سے شروع کی جاتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ادھوری ہے۔ بات بہت پہلے سے شروع ہوئی ہے۔ صرف پردہ ڈالنے کے لئے بات حسین علیہ السلام و یزید سے شروع کی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشگی خبر دے دی تھی

اسی لیے آپ ﷺ فرما گئے تھے کہ علی علیہ السلام و انصار رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں سے اللہ محبت رکھے اور ان سے بغض رکھنے والوں سے اللہ بغض رکھے اور یہ کہ ان سے محبت ایمان اور بغض نفاق کی نشانی ہے جیسا کہ اپنے اپنے مقام پر گذر چکا۔

جس بات کا حضور ﷺ کو اپنے بعد اندیشہ تھا، وہی انصار کے ذہن میں بھی تھا۔ اسی لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ قریشی و انصاری باری باری خلیفہ بننا چاہیے تا کہ ہر حکمران محتاط ہو کر کام کرے۔ اگر ان لوگوں کی اولاد کبھی حکمران بن گئی جن سے ہم نے جنگیں لڑی ہیں تو ہمارا بہت نقصان ہوگا۔ ان کا یہ خدشہ واقعہ حرہ میں حقیقت بن کر سامنے آ گیا اور انصار نے بھگتا۔

امام ابن حجر فتح الباری ج:12، ص:153 پر لکھتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دوران گفتگو، حضرت حباب ابن منذر بدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ باری باری ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہوا کرے گا۔ اس خلافت کے معاملہ میں ہم آپ سے حسد نہیں کرتے بلکہ ہم کو ڈر ہے کہ وہ لوگ حاکم بن جائیں گے، جن کے باپ اور بھائی ہم نے جنگوں میں قتل کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا ہو گیا تو پھر مر جانا بہتر ہے۔ مگر ایسا ہو کر رہا۔

امام حسین علیہ السلام کا اصل مشن

امیر معاویہ کی وفات کی اطلاع ملنے پر کوفہ سے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ ''شکر ہے آپ کے مخالف کی خدا نے کمر توڑ دی ہے اور وہ دنیا سے چلا گیا۔ وہ ڈکٹیٹر، دین کا مخالف، جس نے امت پر تلوار کے زور سے قبضہ کیا، امت سے سب کچھ چھین کر خود مالک بن گیا، امت کا خزانہ غصب کر لیا، امت خوش نہیں تھی مگر سر پر سوار

ہو گیا، امت کے نیک آدمیوں کو قتل کیا، بدترین لوگوں کو ترجیح دی، اللہ کا مال ، بیت المال، اپنے ساتھیوں اور بدمعاشوں میں بانٹا۔ جیسے قوم ثمود دنیا سے دفع ہوئی، اسی طرح وہ بھی دنیا سے دور ہوا۔ (طبری، ج:4،ص:261-262)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الامم والملوک ج:4،ص:262 پر لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں لکھا ''تم پر سلام ہو، میرا ارادہ پختہ ہو چکا ہے، میں آ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم مسلمانوں کا سربراہ صرف وہ ہو سکتا ہے جو اللہ کی کتاب پر عمل کرے، انصاف کو اپنا طریقہ بنائے، حق پر قائم رہے اور خود کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر باندھ کر رکھے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوق میں سے چنا، ان کو نبوت کا تاج پہنایا، نبی ہونے کیلئے منتخب کیا، پھر ان کو اپنی طرف واپس بلا لیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں کی خیر خواہی کر گئے اور تمام دین پہنچا گئے۔ ہم خاندان رسالت تھے، ہمارے حق میں تاکید فرمائی۔ ہم آپ علیہ السلام کے خلیفہ بننے کے سب سے زیادہ حق دار تھے، مگر ہماری قوم نے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی، ہم راضی ہو گئے۔ امت میں اختلاف کو ہم نے پسند نہ کیا بلکہ خیر خواہی اور صلح کو پسند کیا حلانکہ ہم جانتے تھے کہ جو حکومت پر بیٹھ گئے ہم ان سے زیادہ حق دار ہیں اور زیادہ اچھے طریقہ سے حکومت چلا سکتے ہیں، مگر جو حکومت پر بیٹھے انہوں نے بہت اچھے کام کیئے۔ مسلمانوں کی بہتری کی اور حق پر چلتے رہے۔ اللہ ان سب پر رحمت کرے، ان کو اور ہم کو بخشے۔ میں اپنے قاصد کو خط دے کر بھیج رہا ہوں اور میری اس تحریک کا مقصد آپ کو کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ السلام کی طرف بلانا ہے کہ ان کو قائم کرو۔ سنت مٹا دی گئی اور بدعت زندہ کر دی گئی۔ اگر تم میری بات سنو گے اور مانو گے تو تحریک کامیاب ہو گی۔ میں تم کو راہ راست پر چلاؤں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:188-189 پر لکھتے ہیں کہ امام نے ان خطوط کی بنا پر کوفہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ ابن کثیر ج:8،ص:182 پر لکھتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق پہلے عبداللہ بن یقطر اور دوسری بار قیس بن مسہر خط لے کر گئے۔

امام حسین علیہ السلام سید الشہداء ہیں

امام ناصر الدین البانی **سلسلة الاحاديث الصحيحه** ج:1،حدیث نمبر 374 پر حدیث لائے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سید الشہداء تھے اور وہ بھی سید الشہداء ہوگا جو ظالم حکمران کو ظلم سے روکے اور ظالم اسے قتل کردے۔

نسائی کتاب البیعت باب فضل من قال بالحق عند امام جائر میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اور آپ علیہ السلام رکاب میں پاؤں رکھ چکے تھے، کہ کون سا جہاد افضل ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جابر سلطان کے سامنے حق بات کہنا۔

کوفہ بلانے والے کون تھے؟

کوفہ میں بلانے والے حضرت سلیمان بن صرد صحابی رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8،ص:255 میں لکھتے ہیں کہ **صحابیاً جلیلاً نبیلاً عابداً زاھداً**۔ انہوں نے اپنے گھر میں چار آدمیوں کو بلایا (ان کا ذکر جنگ توّابون میں آئے گا) اور کہا کہ ایک طاغوت سے اللہ نے ہماری جان چھڑائی اور دوسرا ہم پر مسلط ہوگیا۔ امام حسین علیہ السلام کو دعوت دو اور ان کا ساتھ دو تاکہ ان ظالموں سے جان چھڑائی جاسکے۔ انہی پانچ آدمیوں نے امام حسین علیہ السلام کو پہلا خط لکھا۔ اس عظیم صحابی کو لوگ بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے امام سے دھوکہ کیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:281-283 پر لکھتے ہیں ان

لوگوں نے بعد میں اپنے وعدہ کو نبھایا۔ انہی لوگوں نے بعد میں توابون کی تحریک چلائی اور عین الوردہ کے مقام پر شہید ہوئے۔ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت 93 سال تھی، وہ پہلے مدد اس لیے نہ کر سکے کہ ابن زیاد نے کرفیو لگا کر امام کے ساتھیوں پر قابو پالیا۔ حصین بن نمیر کوتوال نے ناکہ بندی کر دی کہ کوئی امام کی مدد کو نہ جاسکے۔ سلیمان رضی اللہ عنہ بن صرد اور ان کے ساتھی بہت پچھتائے کہ وہ امام کی مدد نہ کر سکے۔

کوفی مجبور تھے، بے وفا نہیں تھے۔ کیونکہ مختار ثقفی نے جب امام کے قتل کا انتقام لیا تو اس کے ساتھ بھی زیادہ تر کوفی ہی تھے جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8،ص:284 تا 294 پر لکھا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں (ج:1،ص:413) **کتاب الاذان باب الکلام فی الاذان** میں لکھا کہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے اذان میں بات کی، پھر کتاب ج:5،ص:351 **کتاب المغازی** میں **باب غزوہ الخندق وھی الاحزاب** میں ان سے حدیث روایت کی ہے کہ جب کافر جنگ خندق کے بعد واپس لوٹ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اب ہم کفار پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔ امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے **کتاب الصلوٰۃ ، ابو اب السفر باب انزل القرآن علی سبعه احرف** میں ج:1،ص:596 پر ان سے روایت نقل کی ہے۔

واقعہ کربلا اور صحابہ رضی اللہ عنہم

سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ، امام حسین علیہ السلام کو کوفہ بلانے والے بھی صحابی تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی صحابی کربلا میں نہ آیا بلکہ حضرت انس بن الحارث صحابی رضی اللہ عنہ امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہوئے کربلا میں شہید ہوئے۔

عوام اور اکابر رضی اللہ عنہم کی نظر میں مقامِ حسین علیہ السلام

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:104 پر لکھتے ہیں:

''عام لوگ دل سے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزیدی لشکر، عمرو بن زبیر کی سرکردگی میں گرفتار کرنے آیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے فتح دی۔ یزیدی فوج شکست کھا کر واپس ہوگئی۔ ابن زبیر نے یزیدی لشکر میں سے جتنے چاہے ہلاک کر دیئے۔ اپنے بھائی عمرو بن زبیر کو پہلے خوب مارا، قید کر دیا، پوری طرح بدلہ لیا، توہین کی۔ اس طرح حجاز کے علاقہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو کامیابی ہوئی۔ ان کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ ان تمام کامیابیوں کے باوجود لوگوں کی نظروں میں ان کی اتنی عزت نہیں تھی جتنی امام حسین علیہ السلام کی تھی سارے لوگوں کا رجحان یقیناً امام حسین علیہ السلام کی طرف تھا کیونکہ وہ سید کبیر (بلند پایہ سردار) تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ پوری زمین پر ایک آدمی بھی ان کے برابر کا نہ تھا اور نہ ہم سر تھا مگر پوری یزیدی حکومت ان کی دشمن ہوگئی تھی۔''

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک کے خلاف خروج کیا تو حالات کو ناموافق دیکھ کر ان کی بیوی حضرت سکینہ علیہا السلام بنت الحسین علیہ السلام نے ان کو جنگ پر جانے سے منع کیا۔ تب مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تیرے باپ (حسین بن علی علیہ السلام) نے کسی حلال زادے کیلئے کوئی بہانہ نہیں چھوڑا۔ (البدایہ والنہایہ ج:8،ص:338)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا۔ یہ بھی فرمایا کہ گو اللہ نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر

ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ حسین علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم انہوں نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے تھے اور دن کو کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو (یزید کو) ملا ہے وہ اس کے ان (یزیدیوں) سے زیادہ حقدار اور دین اور فضیلت کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے۔ بخدا وہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوف الٰہی سے رونے کی بجائے نغمہ وسرود کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر الٰہی کو چھوڑ کر شکار کی تلاش میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، سو یہ لوگ عنقریب آخر میں خرابی دیکھیں گے۔
امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کی باتیں یزید پر تعریض (طنز) تھیں۔

(تاریخ، ج:5، ص:474-475)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی رائے میں بیعت یزید، بیعت ضلالت تھی۔ (الفصل، ج:4، ص:105)

سلسلة الاحاديث الصحيحه نمبر 564، بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن علیہ السلام والحسین علیہ السلام میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر احرام والا آدمی مکھی کو مار ڈالے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟ عبداللہ نے کہا عراق والے مکھی مارنے کے بارے میں پوچھتے ہیں جبکہ انہوں نے نواسہ رسول ﷺ کو قتل کر ڈالا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔
عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا اس وقت روئے زمین پر امام حسین علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج:9، ص:189)

کہو نہ حاجتِ ذکرِ شہہِ ہدیٰ کیا ہے؟
حسینؑ ہی نے تو ثابت کیا خدا کیا ہے
غمِ حسینؑ دلوں کا نفاق دھوتا ہے
بس اب نہ پوچھ کہ رونے کا فائدہ کیا ہے؟
رضائے حق کی ہر اک راہ میں ہے نقشِ حسینؑ
میں کربلا سے نہ جاؤں تو راستہ کیا ہے؟
اگر حسینؑ کی سیرت پہ ہو سکا نہ عمل
تو پھر یہ مجلس ماتم کا فائدہ کیا ہے؟
حسینیت سے جو ٹوٹا یزیدیت کا بھرم
تو پھر کھلا کہ اثرِ ارضِ کربلا کیا ہے؟
پلٹ نہ آئے جو دریا سے تشنہ لب عباس
تو کون جانتا اس دہر میں وفا کیا ہے؟
بقائے دیں کی ضمانت ہے فاطمہؑ کا پسرؑ
نہیں حسینؑ تو اسلام میں دھرا کیا ہے؟
یہ کربلا کے شہیدوں نے حل کیا ورنہ
کسے خبر تھی فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے؟
(سید وحید الحسن ہاشمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے دوپہر کو سوتے ہوئے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ علیہ السلام کھڑے تھے، بال مبارک بکھرے ہوئے تھے، بدن مبارک گرد آلود تھا دست مبارک میں ایک شیشی تھی جس میں خون بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جو میں صبح سے اکٹھا

کررہاہوں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ وقت اور دن یادرکھا۔ جب لٹا پٹا قافلہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ واقعی وہی دن اور وقت تھا جب عالم ارواح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے چین تھے۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کوروایت کیا احمد،طبرانی نے،احمد کے رجال صحیح اورقوی ہیں۔"

(الفتح الربانی ج:23،ص:170 حدیث نمبر378 الفصل الثالث)

ان کے ہاتھوں سے لٹی باغ رسالت کی بہار
جو نمازوں میں سدا پڑھتے رہے صل علیٰ

مشکوٰۃ کی اس روایت کوحافظ یوسف صلاح الدین اہل حدیث نے اپنی کتاب تنقیح الرواۃ شرح مشکوٰۃ ج:4،ص:246-247)میں صحیح قرار دیا ہے۔مگر جب لوگ رسالے لکھتے ہیں تو ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔جب شرح لکھتے ہیں تو اس میں صحیح قرار دیتے ہیں۔

شہادت حسین علیہ السلام کی بارگاہ خداوندی میں وہ اہمیت ہے کہ کسی اور کی شہادت کی خبر دینے کیلئے کبھی فرشتہ نازل نہیں ہوا۔سوائے آپ کی شہادت کے،جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جوحضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا،ام فضل رضی اللہ عنہا، انس رضی اللہ عنہ،علی علیہ السلام،عائشہ رضی اللہ عنہا،زینب رضی اللہ عنہا،ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے صحیح طریق پر مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت حسین علیہ السلام کا پیشگی اعلان فرمادیا تھا۔ بعد میں بیشمار تابعین نے یہ روایت بیان کی۔امام عبدالرحمٰن البناءمصری رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد کی تبویب و شرح الفتح الربانی ج: 23،الباب الثانی ص:374 تا376 پر دور یزید کے سب سے زیادہ برے اوردکھ دینے والے حادثہ قتل حسین علیہ السلام کے ذیل میں وہ تمام احادیث جمع کردی ہیں جن میں اس حادثہ کی پیش گوئی کا بیان ہے۔ان میں سے ایک حدیث پاک میں جو ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا میرے

گھر میں اس وقت ایک فرشتہ داخل ہوا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ اس نے مجھے حسین علیہ السلام کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر پوچھا کیا آپ علیہ السلام اس بچے سے پیار کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس نے کہا آپ کی امت اس کو قتل کردے گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں، تو میں اس جگہ کی مٹی آپ علیہ السلام کو دکھادوں؟ پھر اس نے سرخ رنگ کی مٹی مجھے لا کردی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آ کر خبر دی کہ میرا یہ بچہ (حسین علیہ السلام) قتل ہوگا۔ یہ کہا! پھر وہاں سے سرخ رنگ کی مٹی لا کردی۔(سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:2، ص:464 حديث نمبر 821بحواله مستدرك حاكم ،ج:3، ص:176-177- بيهقى فى الدلائل ج:6، ص:187) اس قتل کے بارے میں سلسلة الاحاديث الصحيحه میں حدیث نمبر 822 بھی درج ہے۔ امام ہیثمی کی مجمع الزوائد ج:9،ص:187 پر امام نے لکھا کہ اسے احمد نے روایت کیا اس کے رجال صحیح ہیں۔ ابوالطفیل والی روایت کے بارے میں البانی لکھتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

سیدنا علی علیہ السلام جب صفین کو جا رہے تھے تو کربلا پہنچ کر سیدنا حسین علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ابوعبداللہ ثابت قدم رہنا، ابوعبداللہ ثابت قدم رہنا! لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ فرمایا میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو بہت رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا کسی نے آپ علیہ السلام کو ناراض کیا ہے؟ فرمایا نہیں ابھی ایک فرشتہ آیا تھا جس نے بتایا کہ حسین علیہ السلام فرات کے کنارے قتل کئے جائیں گے اس لیے مجھے آنکھوں پر قابو نہیں رہا۔ (الفتح الربانی،ج:23،ص:175)

البانی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد حسن ہیں۔

(صحیحہ حدیث نمبر 1171، البزار، المجر، البحر، نمبر 884، ابویعلیٰ نمبر 363، طبرانی، نمبر 2811)

اب یہ حالت ہے کہ

قافلہ حجاز میں ایک حسین علیہ السلام بھی نہیں
گرچہ ہیں تا بدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج:2،حدیث نمبر 821-822،ص:484 تا486 میں فرشتہ کا شہادت حسین علیہ السلام کی خبر دینا۔مٹی لاکر دکھانا، پہلی بار زمین پر آنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند کے احمد کے حوالہ سے لکھ کر کہا کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی مجمع الزوائد ج:9،ص:187 پر امام نے لکھا کہ اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح ہیں۔البانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ابوالطفیل والی روایت کی سند حسن ہے۔اس شہادت کی خبر بذریعہ وحی ملنے کے سب علماء قائل ہیں۔مشہور اہل حدیث عالم حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا اپنی کتاب زینت الاسلام پہلے حصہ میں ص:18، پر تقدیر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے خبر کا ذکر کرتے ہیں۔

بھئی سخت بیماری، دیکھ مشقت حضرت لا سدھائے
پھر دو ہترے پاک نبیؐ دے پیارے سختی دے منہ آئے
اونہاں قتل شہادت خبر نبیؐ نوں وحی ہویا درگاہوں
فاطمہؓ علیؑ نوں دسیا حضرت، ہویا حکم الہیوں
اونہاں دی طرفوں غم دل گیری سبھناں دے دل آہی
پر دم مارن دی کسے نہ طاقت اگے حکم الٰہی

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:199-200 پر لکھتے ہیں

''حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جب آپ صفین کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے۔آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا کربلا ہے۔فرمایا کرب وبلا ہے۔پھر سواری سے اتر کر

آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہاں وہ شہداء قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی چنانچہ حضرت حسین علیہ السلام اس جگہ پر قتل ہوئے۔

امیر معاویہ اور امام حسین علیہ السلام میں خط و کتابت

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر معاویہ کا خط نقل کیا ہے جو انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو لکھا معاویہ کو لوگ اطلاع دیتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھی حضرت حسین علیہ السلام کے پاس آتے ہیں۔ مروان نے مدینہ سے معاویہ کو خط لکھا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ حسین علیہ السلام بغاوت کریں گے اور مقابلہ بہت بڑا ہوگا۔ اس پر معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم کسی سے معاہدہ کرو تو پورا کرو۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کوفہ کے لوگ تمہارے پاس آتے ہیں اور تجھے دعوت دیتے ہیں کہ تو ہمارے خلاف اٹھے۔ عراقیوں کو تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ اور بڑے بھائی سے انہوں نے کیا سلوک کیا۔ حسینؑ اللہ سے ڈر اور معاہدہ پر قائم رہ! پھر دھمکی دیتے ہوئے لکھا کہ اگر تم میرے خلاف کوئی چال چلو گے تو میں بھی چال چلوں گا۔

سیدنا حسین علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے لکھا کہ تیرا خط ملا ہے۔ جو باتیں تم نے لکھی ہیں میں ان میں سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، میں بھائی کے معاہدہ پر قائم ہوں اور نیکی کا راستہ اللہ سجھاتا ہے۔ فی الحال تیرے ساتھ نہ میرا جنگ کا کوئی ارادہ ہے نہ خلاف اٹھنے کا مگر تیرے خلاف جہاد نہ کرنے کا کوئی عذر مجھے بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کیلئے سمجھ میں نہیں آتا۔ اور یہ جو تم

نے لکھا ہے کہ میں کسی فتنے میں نہ پڑ جاؤں تو میرے علم کے مطابق اس سے بڑا فتنہ اور کوئی نہیں ہے کہ تیرے جیسا آدمی اس امت کا سربراہ بن گیا ہے۔
(سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:150، البدایہ والنہایہ ج:8،ص:175)

باغی کون؟

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ المحلیٰ ج:9،ص:362 پر لکھتے ہیں کہ باغی وہ ہوگا جو دین کو چھوڑے، چاہے وہ حکمران ہو یا عوام ہوں۔ اگر حکمران غلط ہے تو باغی عادل ہوں گے۔ جب بھی اس حکمران سے زیادہ عادل خروج کرے تو اس کا ساتھ دو۔ خروج نہ کرنے کے بارے میں اجماع کے دعویٰ کا ردّ کرتے ہوئے انہوں نے کہا اصحاب حرّہ، حسین علیہ السلام اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کے خلاف اٹھنے والے 4,000 علماء سے بڑا فقیہ کون ہے جو اجماع کا دعویٰ کرے۔ اگر اجماع تھا تو یہ سارے نعوذ باللہ کافر ہو گئے؟

یہ حکمرانوں کی ڈکشنری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو باغی کہتے ہیں۔

بالکل یہی رائے امام ابو بکر جصّاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی احکام القرآن ج:4، ص:1409 پر امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری ج:12،ص:285-286 پر امام محمد بن ابراہیم الوزیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ کی العواصم والقواصم، ج:8،ص:76 پر اور محمد خیر ہیکل کی الجہاد والقتال میں ج:1،ص:167 تا 202 پر ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا تھا کہ منصور عباسی کے خلاف خروج میں ابراہیم بن عبداللہ نفس رضیہؒ کا ساتھ دینا 50 یا 70 نفلی حج کرنے سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔

(احکام القرآن للجصّاص ج:1،ص:81،مناقب الامام الاعظم از ابن البزاز الکردری ج:2،ص:71 مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ از الموفق بن احمد المکیؒ ج:2،ص:83)

مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج وقتال حرام ہونے پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ فقہائے اسلام کا ایک بڑا گروہ جس میں اکابر اہل علم شامل ہیں، خروج کرنے والوں کو صرف اس صورت میں باغی قرار دیتا ہے جبکہ وہ امام عادل کے خلاف خروج کریں، ظالم وفاسق کے خلاف صلحاء کے خروج کو وہ قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق بغاوت کا مصداق نہیں ٹھہراتے اور نہ ان کے خلاف جنگ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ظالم حاکموں کے خلاف جہاد کو نہ صرف جائز بلکہ سازگار حالات میں واجب سمجھتے تھے۔ (احکام القرآن للجصاص ج:1،ص:81،ج:2،ص:39)

بنی امیہ کے خلاف زید بن علی علیہ السلام کے خروج میں انہوں نے نہ صرف خود مالی مدد دی بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کی۔ (احکام القرآن للجصّاص ج:1،ص:81)

امام سرخسی المبسوط۔ باب الخوارج اگرچہ خروج سے منع کرتے ہیں

مگر فقہائے حنفیہ کا یہ متفقہ مسلک نہیں ہے۔ امام ابن ہمام حنفی ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو امام حق کی اطاعت سے نکل جائے۔ حنابلہ میں سے ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ امام غیر عادل کے خلاف خروج کو جائز ٹھہراتے ہیں اور اس پر امام حسین علیہ السلام کے خروج سے استدلال کرتے ہیں۔ (الانصاف ج:10، باب قتال اہل البغی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الام میں اس شخص کو باغی قرار دیتے ہیں جو امام عادل کے خلاف جنگ کرے۔ (ج:4،ص:135)

المدوّنہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے کہ خروج کرنے والے اگر امام عادل کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلیں تو ان کے خلاف مقابلہ کیا جائے گا۔ (ج:1،ص:407)

قاضی ابوبکر ابن العربی احکام القرآن میں ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی

شخص عمر بن عبدالعزیز جیسے امام عادل کے خلاف خروج کرے تو اس کو دفع کرنا واجب ہے، رہا کسی دوسری قسم کا امام تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ کسی دوسرے ظالم کے ذریعہ اس کو سزا دے گا اور پھر کسی تیسرے ظالم کے ذریعہ سے ان دونوں کو سزا دے گا۔ ایک اور قول امام مالک کا انہوں نے یہ نقل کیا ہے کہ جب ایک امام سے بیعت کی جا چکی ہو اور پھر اس کے بھائی اس کے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے تو ان سے جنگ کی جائے گی اگر وہ امام عادل ہو رہے یہ ہمارے زمانے کے حکمران تو ان کیلئے کوئی بیعت نہیں کیونکہ ان کی بیعت زبردستی کی گئی ہے۔ پھر مالکی علماء کا جو مسلک سحنون کے حوالہ سے قاضی ابوبکر نے بیان کیا وہ یہ ہے کہ جنگ تو صرف امام عادل کے ساتھ مل کر کی جائے گی خواہ پہلا امام عادل ہو یا خروج کرنیوالا، لیکن دونوں عادل نہ ہوں تو دونوں سے الگ رہو، البتہ اگر تمہاری جان پر حملہ کیا جائے یا مسلمان ظلم کا شکار ہو رہے ہوں تو مدافعت کرو، یہ مسالک نقل کرنے کے بعد قاضی ابوبکر لکھتے ہیں ''ہم جنگ نہیں کریں گے مگر اس امام عادل کے ساتھ جسے اہل حق نے اپنی امامت کیلئے آگے بڑھایا ہو۔''

اگر خروج کرنے والے قلیل تعداد میں ہوں، نہ وہ زیادہ جنگی سامان رکھتے ہوں تو ان پر قانون بغاوت کا اطلاق نہ ہوگا بلکہ عام قانون تعزیرات کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔ خروج کرنے والے اگر صرف باغیانہ خیالات کے اظہار تک محدود رہیں تو ان کو قتل یا قید نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے خلاف جنگ صرف اس وقت کی جائے گی جب وہ عملاً مسلح بغاوت کر دیں اور جنگ سے پہلے ان کو بغاوت چھوڑنے کی دعوت دی جائے گی۔

(المبسوط باب الخوارج۔ فتح القدیر، باب البغاۃ۔ احکام القرآن للجصّاص)

باغیوں سے لڑائی میں جن ضوابط کو ملحوظ رکھا جائے گا وہ نبی ﷺ کے اس ارشاد پر مبنی ہیں جسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حاکم، البزّار اور الجصّاص نے نقل کیا ہے ''حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے ابن ام عبد جانتے ہو اس امت کے باغیوں کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے

رسولﷺ کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا ان کے زخمیوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا، ان کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، ان کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور ان کا مال، غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ روایت صحیح نہیں۔

اس ضابطہ کا دوسرا ماخذ جس پر تمام فقہائے اسلام نے اعتماد کیا ہے، حضرت علی علیہ السلام کا قول اور عمل ہے آپ نے جنگِ جمل کی فتح کے بعد اعلان کیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرو، زخمی پر حملہ نہ کرو گرفتار ہو جانے والوں کو قتل نہ کرو جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دو، لوگوں کے گھروں میں نہ گھسو اور عورتوں پر دست درازی نہ کرو خواہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں، آپ کی فوج کے بعض لوگوں نے مطالبہ کیا کہ مخالفین کو ان کے بال بچوں کو غلام بنا کر تقسیم کر دیا جائے، اس پر غضب ناک ہو کر آپ نے فرمایا، تم میں سے کون ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصہ میں لینا چاہتا ہے۔ اسی طرح گرفتار شدہ لوگوں کو یہ عہد لے کر کہ وہ پھر بغاوت نہیں کریں گے، رہا کر دیا جائے گا۔ (المبسوط، سرحسی رحمۃ اللہ علیہ)

ذکر حسین علیہ السلام

حکومتوں کی یہ پوری کوشش رہی ہے کہ ذکر حسین علیہ السلام کو مٹا دیا جائے اور اس کیلئے علماء سے فتوے لکھوائے مثلاً اامام غزالی کا فتویٰ بیان کیا جاتا ہے کہ عالم کے لئے امام حسین علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا حرام ہے۔ یا د رکھو! حسین علیہ السلام اور یزید دو آدمی نہیں، دو نظریے ہیں۔ ان دونوں کو سمجھے بغیر اسلام سمجھ میں نہیں آئے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ امداد الفتاویٰ کے نام سے چھپا ہے۔ اس کی ج:5،ص:265-266 پر کسی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ "فی الحقیقت واقعہ جانکاہ جناب سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ واحبائہ وسخط علی قاتلیہ واعداء (اللہ حسین علیہ السلام اور ان سے محبت کرنے والوں سے راضی

ہواوران کے قاتلوں اور دشمنوں سے ناراض ہو۔) اس قابل ہے کہ اگر تمام زمین وآسمان وحور وملک وجن وانس وجمادات ونباتات وحیوانات قیامت تک یہ کہہ کہہ کر رو دیں گے کہ اگر یہ مصیبتیں، جو ہم پر پڑیں دنوں پر پڑتیں تو دن کالے ہو جاتے تو بھی تھوڑا ہے۔ مگر خیال کرنے کی بات ہے کہ جن کی محبت میں روویں پیٹیں گے تو جو حرکات ان کے خلاف طبع ہوں ان کا ارتکاب ان حضرات کے ساتھ سخت عداوت ہے۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست

بے وقوف کی دوستی بھی دشمنی جیسی ہوتی ہے۔

مولانا ص:266 پر فرماتے ہیں کہ ہاں البتہ اگر گاہے گاہے بہ نیت برکت بطور ذکر بزرگاں بلا تعین یوم و بلا انتظام اجتماع مجمع، بروایات صحیحہ معتبرہ، بلاشرکت روافض وبدوں افعال و اقوال نامشروع پڑھے اور غمگین ہو تو باعث برکت ہے۔"

پھر شعر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے بار بار رسول اللہ ﷺ کی اولاد کا واقعہ سنا کیونکہ ان کا تذکرہ کستوری ہے جس کو جتنا رگڑو گے، خوشبو زیادہ پھیلے گی۔

شان اہل بیت علیہم السلام (یہ نہ ہوتے زمانے میں اندھیرا ہوتا)

اگر گوئی کہ عالی خاندانم
نظر بر خاندانِ مصطفےٰؐ کن

(اگر تو کہتا ہے کہ میرا خاندان اعلیٰ ہے تو محمد مصطفےٰ ﷺ کے خاندان کو دیکھ)

اہل بیت کی شان حدیث کی ہر کتاب میں بیان ہوئی ہے۔ چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا حسن و حسین علیہما السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، اُنکی ماں فاطمہ علیہا السلام جنت کی عورتوں کی سردار ہے،

اوران کا باپ (علی علیہ السلام) ان سے بھی بڑھ کر ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج:2،ص:428،حدیث:796) از ابن مسعود رضی اللہ عنہ بحوالہ متدرک حاکم ج:3،ص:167، حاکم نے صحیح کہا اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پا ست
پاسِ فرمانِ جناب مصطفیٰ ست
ورنہ گرد تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

جنت میں ایک مقام

سیدنا علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے ہاں رات گزاری، حسن و حسین علیہما السلام سو رہے تھے۔ رات کو حسن علیہ السلام نے پانی مانگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکیزے کی طرف گئے، اس سے پیالہ میں پانی نکالا، پھر اسے پلانے کیلئے آئے۔ حسن علیہ السلام کی بجائے پیالہ حسین علیہ السلام نے پکڑنا چاہا لیکن آپ علیہ السلام نے نہ پینے دیا۔ پھر حسن علیہ السلام سے ابتداء فرمائی، سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسے لگتا ہے کہ حسن علیہ السلام آپ علیہ السلام کو زیادہ پیارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بات نہیں (دراصل) حسن علیہ السلام نے پانی پہلے مانگا تھا۔ پھر فرمایا، میں، یہ دونوں اور یہ سونے والا (علی علیہ السلام) روز قیامت ایک مقام میں ہوں گے۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحة، حديث نمبر 3319، ابو داؤد طيالسى نمبر 190، طبرانى فى الكبير نمبر 2622، البزار(الكشف نمبر 2616)، ابو يعلىٰ نمبر 510من طريق آخر و احمد ج:1،ص:101)

مادراں را اُسوۂ کامل بتول
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول

سیدنا علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی علیہ السلام! تجھ

سے محبت کرے گا صرف مومن اور بغض رکھے گا صرف منافق

(صحیحہ حدیث نمبر 1720، مسلم نمبر 78، نسائی نمبر 5021، ترمذی نمبر 3786، ابن ماجہ نمبر 114)

سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج:3، ص:1293 پر حدیث ہے کہ جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ عزوجل سے محبت کرتا ہے اور جو علی سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ عزوجل سے بغض رکھتا ہے۔

ترمذی ابواب المناقب حسن بن علی علیہ السلام وحسین ابن علی علیہ السلام میں یعلیٰ بن مُرّہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسین علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں حسین علیہ السلام سے ہوں۔ جو حسین سے محبت رکھتا ہے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے۔ حسین علیہ السلام نواسا ہے نواسوں میں سے۔

حب حسینؑ حب رسالت کی ہے دلیل
گویا نبی کے پیار کی میزان بھی حسینؑ

جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:4، ص:341 پر اس حدیث کی شرح میں اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں حسین علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں حسین علیہ السلام سے ہوں کا معنی یہ ہے کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ حسین علیہ السلام سے محبت رکھے، جس طرح میرے ساتھ جنگ اور دشمنی حرام ہے، اسی طرح حسین علیہ السلام سے جنگ اور دشمنی حرام ہے۔ حسین علیہ السلام کو اور مجھے ایک سمجھنا۔ پھر اس بات کو مزید مستحکم یہ فرما کر دیا کہ حسین علیہ السلام سے محبت کرنے والے سے اللہ بھی محبت کرتا ہے۔"

بخاری کتاب المناقب باب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فاطمہ علیہا السلام میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ علیہا السلام میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی ابواب المناقب باب ماجاً فی فضل فاطمہ علیہا السلام میں مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور آپ علیہ السلام منبر پر فرماتے تھے کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت چاہی کہ ہم اپنی لڑکی علی علیہ السلام ابن ابی طالب کو بیاہ دیں مگر میں اجازت نہیں دیتا، اجازت نہیں دیتا، اجازت نہیں دیتا۔ اگر علی ابن ابی طالب کا ارادہ ابو جہل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ہو تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور اس کی بیٹی سے نکاح کرے۔ اس لیے کہ وہ (فاطمہ علیہا السلام) میرے دل کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے تکلیف دیتی ہے، وہ مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔

اس سے آگے اسی باب میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابو جہل کی بیٹی سے شادی کا ذکر کیا پھر یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پہنچی تو فرمایا فاطمہ علیہا السلام میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے دُکھ دیتی ہے وہ مجھے دکھ دیتی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الاحوذی: ج:4، ص:361 پر لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دینا حرام ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ، بالاتفاق حرام ہے، تو اس صحیح حدیث کے مطابق جس چیز سے بھی کبھی فاطمہ علیہا السلام کو دکھ پہنچا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچا۔ فاطمہ علیہا السلام کو اس امت نے اس سے بڑا دکھ اور کیا دینا تھا کہ ان کے بیٹے کو قتل کر دیا، مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی پتہ چلی کہ جس نے اس کام میں حصہ لیا، اسے دنیا میں ہی سخت سزا ملی اور آخرت کا عذاب بہت سخت ہے۔

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے والوں پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے۔ (سورۂ احزاب:57/33)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے کان میں دو دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرگوشی کرنا مذکور ہے۔ اس کے آخر میں

فرمان نبوی ہے کہ فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو مومن عورتوں کی یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہے؟ یہ سلسلۃ الاحادیث حدیث نمبر 2948، بخاری حدیث نمبر 6286، مسلم میں حدیث نمبر 98 اور 2450، نسائی فی الکبری حدیث نمبر 18368 اور ابن ماجہ میں حدیث نمبر 1621 میں مذکور ہے۔

مستدرک حاکم ص 3 ج: 148-149 پر حدیث ہے جس کو حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی۔ جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان خشوع وخضوع سے عبادت کرے، نمازیں پڑھے اور روزے رکھے، اگر وہ خدا کے سامنے اس حالت میں پیش ہوا کہ وہ آل رسول علیہ السلام سے بغض رکھتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

ایسی حدیث کسی اور کے حق میں نہیں آئی۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج:5، ص:643، حدیث نمبر 2488 باب تحریم بغض اہل بیت کے تحت یہ حدیث لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر کوئی ہمارے اہل بیت سے بغض رکھے گا تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حاکم اور ابن حبان نے روایت کی۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی سلسلۃ الاحادیث ج:7، جز نمبر 3، ص: 1732 تا 1734 حدیث نمبر 4003 میں فرمایا گیا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں ہی جنتی آدمی دیکھ لے، وہ حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کو دیکھ لے۔

(بحوالہ مسند عن ابو یعلیٰ حدیث نمبر 1874، و عند ابن حبان حدیث نمبر 6966)

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الحسن و الحسین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور ترمذی ابو اب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی میں عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، جو ربیب تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، سے روایت ہے کہ جب یہ آیت تطہیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر بلایا فاطمہ علیہا السلام اور حسن و حسین علیہما السلام کو اور ان پر ایک چادر ڈال دی، اور علی علیہ السلام ان کے پیچھے تھے، ان سب پر چادر ڈال دی، پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، سو ان سے رِجس دور کردے، اور ان کو پاک کردے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں یا رسول اللہ! فرمایا تم اپنی جگہ بیٹھی رہو، تم خیر پر ہو۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حدیث کساء اہل بیت کی فضیلت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔ (کشاف ج:1،ص:375)

من کیستم کہ با تو دمِ دوستی زنم
زچندیں سگان کوئے تو یک کم تریں سگم
نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بہ کوءِ ت رسیدہ است

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ ج:2،ص:20 پر واثلہ بن الاسقع صحابیؓ، سے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت درج کرتے ہیں جو اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے شدّاد بن عبداللہ سے روایت کی

''شدّاد نے بیان کیا میں نے واثلہ رضی اللہ عنہ بن الاسقع کو یہ کہتے سنا کہ میرے سامنے حضرت حسین علیہ السلام کا سر یزید کے پاس لایا گیا۔اس وقت یزید تخت پر بیٹھا تھا اور شامی درباریوں میں سے ایک نے اٹھ کر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام پر لعنت کی (خدا ان پر لعنت کرنے والوں پر لعنت

کرے) حضرت واثلہؓ اٹھے اور کہا میں علیؑ، حسنِ و حسینؑ اور فاطمہؑ کی محبت سے باز نہ آوں گا کیونکہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں تھا اور آپ اس وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حسنؑ تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے ان کو دائیں ران پر بٹھا لیا اور ان کو چوما، پھر حسین علیہ السلام آئے تو ان کو بائیں ران پر بٹھا لیا اور ان کو بھی چوما، پھر فاطمہ علیہا السلام تشریف لائیں تو ان کو سامنے بٹھا لیا، پھر حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور پھر آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی۔

شدّاد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے واثلہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رجس کیا ہے؟ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے مراد روحانی پلیدی یعنی خدا کے بارے میں شک ہے۔ ان کے دلوں میں خدا کے بارے میں شک نہیں آئے گا اور ایمان سے ان کے دل پُر ہو جائیں گے۔''

ابو احمد عسکری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے سوا اہل بیت کی شان میں کبھی حدیث بیان نہیں کی اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اہل بیت کے بارے میں ایک کے سوا کبھی حدیث نہیں سنائی۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں بنوامیہ سے ڈرتے تھے۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ جو خانہ کعبہ پر بنوامیہ کی سنگ باری کے دوران پتھر لگنے سے شہید ہوئے، سے روایت ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام کے بیٹے حسن مثنیٰ علیہ السلام نے میری بیٹی سے نکاح کرنے کیلئے مجھے پیغام بھیجا۔ میں نے قاصد سے کہا، ان سے کہنا مجھے شام کو ملیں، حسن مثنیٰ علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی مسور رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد کہا اللہ کی قسم مجھے کوئی نسبی، ازدواجی تعلق و قرابت تمہارے نسب و قرابت سے بڑھ کر پیارا نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے

پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے، جو چیز اسے خوش کرتی ہے، وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے اور قیامت والے دن سب نسب وقرابت کے رشتے ختم ہو جائیں گے سوائے میرے نسب، سسرا اور دامادی کے رشتوں کے'' (اس حدیث کے بعد غور کر کہ) تیرے گھر سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی بیٹی ہے۔ اگر میں نے اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دی تو وہ تنگ دل ہو گی (یہ بات حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دکھ دے گی تو میرا اور میری بیٹی کا کیا بنے گا؟) حسن علیہ السلام بن حسن علیہ السلام نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا عذر قبول کیا اور چلے گئے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں سورہ کوثر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''کوثر (بہت کثرت) کا ایک معنی نسل کی کثرت بھی ہے، یہ بات اس لیے مناسب ہے کہ عاص بن وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر قاسم علیہ السلام کی وفات پر طعنہ دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے ابتر (بے نام ونشان) جائیں گے (نعوذ باللہ) اس کافر کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو بے اندازہ اولاد دیں گے کہ زمانہ گذرنے پر بھی وہ ختم نہ ہو گی۔ دیکھ کتنے ہی سید قتل کر دیئے گئے، پھر دیکھ کہ دنیا اب بھی ان سے بھری پڑی ہے جبکہ بنی امیہ میں سے ایک بھی ایسا نہ رہا جس کی لوگ عزت کرتے ہوں۔ پھر دیکھو اولاد رسول علیہ السلام میں سے کتنے چوٹی کے عالم ہوئے ہیں باقرؑ، صادقؑ، کاظمؑ اور رضاؑ جیسے اور نفسِ زکیہ اور ان کی مثال دوسرے۔''

(القول الثالث: ج:32:ص:124)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

''یزید کے 15 بیٹے اور 5 بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام لکھ کر امام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی اولاد بھی اب دنیا میں نہیں رہی اور اس کو خدا نے ابتر کر دیا۔'' (ج:8:ص:256)

وفد نجران سے مباہلہ کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام و

حسینؑ کو بلایا تھا کیونکہ عیسائیوں کا رات کو یہ مشورہ ہوا تھا کہ اگر سچا نبی ہے تو اپنے دل کے ٹکڑے مباہلہ میں لائے گا۔ اگر ان کو لائے تو پھر مقابلہ نہیں کرنا، اگر دوستوں کو لائے تو پھر مباہلہ کر لینا کیونکہ اس صورت میں سچا نبی نہ ہوگا۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:8،ص:724 پر لکھتے ہیں:

''اگر وفد نجران مباہلہ کر لیتا تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔'

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی بیٹیاں بھی بلند مرتبہ تھیں مثلاً جیسا کہ عروہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، زینب میری بیٹی افضل ہے، اسے میری وجہ سے تکلیف پہنچی۔

(سلسله الاحاديث الصحيحه حديث نمبر 3071، طبرانی فی الكبير ج:22،ص:431، مستدرك حاكم ج:4، ص:43-44، مسند بزار حديث نمبر 2666)

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ علیہا السلام میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت بذریعہ علیؑ ابن الحسینؑ مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے (خود) ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا پیغام بھیجا اور اس وقت ان کے نکاح میں حضرت فاطمہ علیہا السلام بنت النبی علیہ السلام تھیں۔ جب فاطمہ علیہا السلام نے یہ خبر سنی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ آپ علیہ السلام برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی بیٹیوں کے لیئے غصہ نہیں ہوتے اور یہ علی علیہ السلام ہیں جو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں۔ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا میں نے اپنی لڑکی کا نکاح (زینب علیہا السلام) ابوالعاص بن ربیع سے کیا۔ اس نے جو بات مجھ سے کہی سچ کہی، اور فاطمہ علیہا السلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی میرے بدن کا ٹکڑا ہے اور مجھے برا لگتا ہے کہ لوگ اس کو آزمائش میں ڈالیں۔ اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک مرد کے پاس بھی جمع نہ ہوں گی۔

یہ سن کر علی علیہ السلام نے پیام چھوڑ دیا (یعنی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔)

یہ روایت بخاری کتاب المناقب باب ذکر اصھار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منھم ابو العاص بن الربیع میں بھی ہے اور بخاری کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنته فی الغیرة والانصاف اور کتاب الطلاق باب الشقاق میں بھی آئی ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ ۔ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا کی آخری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام پر ان کلمات سے دم کرتے تھے اور فرماتے تھے تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام بھی ان ہی کلمات سے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پر دم کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں اعوذ بکلمات اللہ التامات من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة

یہی روایت ترمذی ابواب الطب باب ماجاء فی الرقیۃ من العین میں بھی آئی ہے۔

اہل بیت کیلئے علیہ السلام کا لقب

اہل بیت کرام علیہم السلام کیلئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کرنے پر بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے مخصوص ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب علی علیہ السلام ابن ابی طالب میں فاطمہ علیہا السلام کتاب المغازی باب شھود الملائکہ بدراً میں زہری سے مروی حدیث میں حسین علیہ السلام ابن علی علیہما السلام، فاطمہ علیہا السلام، باب تسمیہ من سمی من اہل بدر فی الجامع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں فاطمہ علیہا السلام (قصہ فدک میں)، باب ما اصاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الجراح یوم احد میں فاطمہ علیہا السلام، باب مرض النبی علیہ السلام کی آخری حدیث میں فاطمہ علیہا السلام (دفن نبی علیہ السلام) کتاب النکاح باب، تیزوج اکثر من اربع میں علی ابن الحسین علیہ السلام (امام ابن العابدین علیہ السلام) کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ ذاریات میں علی علیہ السلام کے الفاظ بخاری کے متن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس آخری حوالہ کی شرح میں علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "اس کو فریابی نے وصل کیا، صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہاں یوں ہے قال علی علیہ السلام،

قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی تو صحیح ہے مگر صحابہ میں مساوات کرنا چاہئے، کیونکہ یہ تعظیم کا کلمہ ہے تو شیخین رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور سلام مثل صلوٰۃ کے ہے۔ بالا انفراد پیغمبروںؑ کے اور کسی کے لئے اس کا استعمال نہ کیا جائے۔ مترجم (علامہ وحید الزماں) کہتا ہے کہ اس کلام پر کیا دلیل ہے، یہ صرف ایک اصطلاح ہے باندھی ہوئی بات ہے کہ پیغمبروں کو علیہ السلام اور صحابہ کو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں تو امام بخاری نے حضرت علی کو علیہ السلام کہہ کر اس اصطلاح کا ردّ کیا ہے۔ اب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ شیخین رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کلمے کے زیادہ مستحق ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہ میں مساوات لازم ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے علیہ السلام کہنے سے امام بخاری نے کہاں منع کیا ہے۔ پھر یہ اعتراض فضول ہے۔ اور جب صحابہ میں مساوات لازم ہے تو قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہ کے کیوں قائل ہیں؟ میں کہتا ہوں علی رضی اللہ عنہ میں بہ نسبت دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ کے ایک اور خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرورش یافتہ اور قدیم الاسلام اور خاص داماد تھے اور آپ کا شمار اہل بیت میں ہے اور اہل بیت علیہ السلام کے لئے بہت سے خاص کام کئے گئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہے کہ اہل بیت کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کہا جاتا ہے، جیسے کہتے، امام حسین علیہ السلام، و امام جعفر صادق علیہ السلام و علیٰ آبائہ السلام اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔"

سجدہ لمبا کرنا

نسائی کتاب الافتتاح باب هل يجوز ان تكون سجده اطول من سجده (کیا ایک سجدہ دوسرے سجدہ سے لمبا ہو سکتا ہے) میں حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن عشاء کی نماز پڑھانے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن علیہ السلام یا حسین علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور ان کو زمین پر بٹھا دیا، پھر نماز کی تکبیر کہی اور نماز شروع کی، نماز کے دوران آپ علیہ السلام نے ایک سجدے میں دیر کی تو میں نے سر اٹھایا دیکھا تو بچہ

رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہے اور آپ علیہ السلام سجدے میں تھے۔ میں پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے نماز کے دوران ایک سجدے میں دیر کی حتیٰ کہ ہم سمجھے کہ یقیناً کوئی واقعہ ہو گیا ہے یا وحی آنے لگی ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسی کوئی بات نہ تھی، میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا تو مجھے برا لگا کہ جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور ابھی اس کا جی نہ بھرا ہو۔

خطبہ جمعہ موقوف کر دینا

نسائی کتاب الجمعه باب نزول الام عن المنبر قبل فراغة من الجمعه و قطعه کلامة و رجوعه الیه یوم الجمة میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے اتنے میں حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام تشریف لے آئے، دونوں سرخ رنگ کے کرتے پہنے ہوئے تھے اور (چونکہ چھوٹے تھے گرتے پڑتے چلے آتے تھے۔ نبی ﷺ خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اتر آئے، ان دونوں کو گود میں اٹھالیا، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ اپنے کرتے میں گرتے چلے آرہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا یہاں تک کہ میں نے خطبہ موقوف کیا اور ان کو اٹھالیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ان کے ساتھ حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے، دونوں کندھوں پر ایک ایک سوار تھا۔ کبھی حضور علیہ السلام ایک کا بوسہ لیتے اور کبھی دوسرے کا حتیٰ کہ ہمارے پاس پہنچ گئے، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ان سے محبت کرتے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(سلسلة الاحادیث الصحیحه حدیث نمبر 2895، مسند احمد ج:2، 440 وفی الفضائل حدیث نمبر 1386، مستدرك حاكم ج:3، ص:166، البزار (الكشف روایت نمبر 2627)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو آدمی اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه حديث نمبر 2488، مستدرك حاكم جلد نمبر 3، 150 ، ابن حبان حديث نمبر 12978 البزار (الكشف نمبر 3348 من طريق آخر عنه)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگوں نے مشہور کر دیا کہ وہ شیعہ ہیں تو انہوں نے کہا کہ حج کے زمانہ میں منیٰ میں یہ اعلان کر دو کہ اگر اہل بیت کی محبت شیعت ہے تو جن وانس گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں۔ انکا شعر مندرجہ ذیل ہے۔

اِنْ كَانَ رَفْضاً حُبُّ آل محمدٍ
فَلْيشهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّى رَافِضُ

امام نسائی، امام حاکم، ابونعیم، ابن مندہ اور بہت سے محدثین اہل سنت کے بارے میں لوگوں کو یہی شک تھا کہ وہ رافضی ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں اب کوئی توحید کا بیان کرتا ہے تو اس کو وہابی مشہور کر دیتے ہیں۔ بھئی اگر توحید ماننے سے کوئی وہابی ہوتا ہے تو کہتے رہو! ایسا تو ہر مسلمان کو ہونا چاہیے، امام شافعی کے شعر کی طرز پر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی شعر کہا تھا جو اس صورتحال کی نشاندہی کرتا ہے۔

اِنْ كَانَ تَوحِيدُ الْإِلٰهِ تُوَهُّبًا
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّى وَاهِبِى

اگر اللہ کو ایک ماننے سے آدمی وہابی ہو جاتا ہے تو جن وانسان گواہ رہو کہ میں وہابی ہوں۔

حسنین علیہما السلام کے نام بھی بے مثال ہیں

سیدنا حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کے خصوصی امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نام ان سے پہلے کسی کے نہیں رکھے گئے۔ ایک سعودی عالم نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام

معجم اہل البیت النبویؐ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام پوشیدہ رکھے، کسی کے ذہن میں یہ نام رکھنے کا خیال نہیں آیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بچوں کے یہ نام رکھے، اس کی مثال قرآن مجید میں بھی ملتی ہے کہ جب سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری دی گئی تو ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اس سے پہلے یحییٰ کسی کا نام نہیں رکھا گیا۔

اس عالم نے مزید لکھا ہے کہ حَسَن اور حُسین نام حاتم طائی کے قبیلہ بنی طے میں دو آدمیوں کے تھے مگر حَسَن اور حُسَین کسی کے نام نہیں رکھے گئے۔ لفظ حسن کا معنیٰ ہے ''ایسا خوبصورت جس کے حسن میں کبھی کمی نہ آئے، اور حسین چھوٹے حسن کو کہتے ہیں، یہ حسن سے اسم تصغیر ہے۔

یہی بات امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے بھی بیان کی گئی ہے۔ اس روایت کو مفضل نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نام پوشیدہ رکھے اور کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آنے دی کہ وہ اپنے بچوں کے یہ نام رکھے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بچوں کے رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں بھائیوں کو اپنے بیٹے فرماتے تھے مگر ناصبی نہیں مانتے۔ یہ جس کے بیٹوں کو ماننا چاہتے ہیں مانیں، مگر حضور علیہ السلام کے منبر پر بیٹھ کر ان کی اولاد کے خلاف بات کرتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے دشمنوں کا کوئی منبر ہے تو وہاں چلے جائیں مگر منبر نبوی پر بیٹھ کر ان کی اولاد کے خلاف اور ان کے دشمنوں کی تعریف میں تقریریں نہ کریں۔

اہل بیت علیہم السلام سے نیک سلوک کرنے کی وصیت نبویؐ

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی علیہ السلام بن ابی طالب میں یزید بن حیان سے روایت ہے کہ میں اور حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب ہم ان کے پاس بیٹھے تو حصین نے کہا اے زید! تم نے تو خیر کثیر حاصل کی، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث سنی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پیچھے نماز پڑھی، تم نے بہت ثواب کمایا، ہمیں کوئی حدیث بیان کرو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا اے میرے بھتیجے! میری عمر زیادہ ہوگئی اور مدت گزر گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض باتیں جو میں یاد رکھتا تھا، بھول گئیں، تو جو میں بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کے لئے مجھے تکلیف نہ دو پھر زید رضی اللہ عنہ نے کہا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر جہاں پانی تھا، جس کو (غدیر) خم کہتے تھے، اور وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی اور وعظ ونصیحت کی پھر اس کے بعد فرمایا اے لوگو! یقیناً میں بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا (موت کا فرشتہ) آئے اور میں (موت) قبول کروں۔ میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب (قرآن) ہے، اس میں ہدایت اور نور ہے تو اللہ کی کتاب کو تھامے رہو اور مضبوطی سے اس پر کاربند رہو، غرض آپ نے ترغیب دلائی کتاب اللہ کی طرف، پھر فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت رضی اللہ عنہم ہیں، اپنے اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تم کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں، (یہ دو دفعہ فرمایا۔ حصین نے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کون ہیں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ لیکن اہل بیت وہ ہیں جن کو بعد میں صدقہ (ٹرسٹ) سے محروم کر دیا گیا، حصین نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا وہ علی علیہ السلام، عقیل رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں، پوچھا کیا یہ لوگ ہیں صدقہ سے محروم کر دیئے گئے کہا ہاں'' اہل بیت سے حضور علیہ السلام نے نیک سلوک کرنے کی جتنی تاکید فرمائی اتنا ہی لوگوں نے اس کے الٹ عمل کیا۔

صدقہ سے مراد ٹرسٹ ہے جو رسول کریم ﷺ نے اپنی جائیداد واقع مدینہ، فدک اور خیبر پر مشتمل قائم فرمایا تھا اور خود ہی اس ٹرسٹ کے نگران تھے ان کے علاوہ سات باغ مدینہ میں اور تھے جن کی نگرانی حیات نبوی میں ہی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد تھی اور بعد میں بھی وہ انہی کے زیر انتظام رہے ان سات باغوں کے نام یہ ہیں **الدلال ، العفاف، الحسنیٰ، الصافیہ، مالام ابراهیم، المبیت ، البرقه (فروع کافی کتاب الوصایا باب صدقات النبی علیه السلام و فاطمه علیہا السلام و آئمه علیہم السلام ووصایاهم)**۔ان باغوں کے علاوہ باقی جائیداد جو وقف تھی کے انتظام کو بھی فاطمہ علیہا السلام نے اپنے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا تھا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا۔ جو جواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دیا تھا بعینہٖ وہی جواب حضرت فاطمہ علیہا السلام نے بعد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر ان کو دیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تائید میں گواہی دی تھی۔ تفصیل کے لئے **مراۃ العقول شرح الکافی ازعلامہ** باقر مجلسی مندرجہ بالا باب فروع کافی میں ملاحظہ فرمائیں۔

کربلا کی کہانی امام باقر علیہ السلام کی زبانی۔ایک افسانہ

لاہور کے مشہور اہل حدیث عالم عطاء اللہ حنیف نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''کربلا کی کہانی ابوجعفر امام باقر علیہ السلام کی زبانی'' اس افسانے کی تہمت امام حسین علیہ السلام کے پوتے پر لگائی گئی ہے کہ یہ قصہ انہوں نے سنایا۔ جب اس قصہ کو پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو لوگوں نے بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔راستے میں جب ان کو مسلم بن عقیل کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کیا مگر چچازاد بھائیوں نے ضد کی کہ ہم تو بدلہ لیں گے۔ اس پر امام علیہ السلام مجبور ہو گئے اور کہا تمہارے بغیر تو

زندگی کا کوئی مزہ نہیں، ان کی ضد کی وجہ سے آگے چلنا پڑا۔ جب آگے فوج
نظر آئی تو تین شرطیں پیش کر دیں کہ

1۔ مجھے یزید کے پاس لے جاؤ تا کہ میں اس کی بیعت کرلوں۔

2۔ یا مجھے مدینہ واپس جانے دو۔

3۔ یا اسلامی سرحد کی طرف جانے دو تا کہ میں کفار سے جہاد کروں۔

عام آدمی تو کیا اچھا بھلا پڑھا لکھا شخص بھی جب یہ باتیں پڑھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس جہاد کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ (معاذ اللہ) نادانی کی وجہ سے مار کھا گئے ورنہ اس رویے کا نہ جہاد سے تعلق ہے نہ یہ شہادت ہے۔ امام علیہ السلام تو جان بچانا چاہتے تھے۔ تاریخ امام علیہ السلام پر زیادہ سے زیادہ یہ مہربانی کرتی ہے کہ کوفہ کے چند دھوکہ باز لوگوں نے امام کو خطوط لکھے اور امام علیہ السلام ان کے ورغلانے میں آ گئے۔ بعد میں جب کوفہ والوں کی مکاری کا راز کھلا تھا پھر آپ پچھتاتے رہے مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔

حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی کتاب "رسومات محرم اور سانحہ کربلاء میں یہی نتیجہ نکالا کہ امام علیہ السلام اپنے ناجائز غرور اور گھمنڈ کی وجہ سے قتل ہوئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں تو لوالۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں لہٰذا دوسروں سے بہتر ہوں۔ یہ نسلی غرور ان کو لے ڈوبا۔ یہ کتاب ہر اہل حدیث کے پاس ہے اور طوطے کی طرح اس کو رٹتے رہتے ہیں۔ کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ تحقیق کرلے کہ یہ باتیں صحیح ہیں یا غلط!

اس کتاب میں دوسرا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ امام علیہ السلام کے (معاذ اللہ) نسلی غرور کے ساتھ ساتھ بے وقوفی ابن زیاد نے کی۔ اس نے ضد کی کہ پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کریں پھر یزید کے پاس بھیجا جائے گا۔ امام علیہ السلام نے انکار کیا تو ابن زیاد نے کہا چونکہ میں آئینی گورنر ہوں لہٰذا پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ امام نے انکار کیا اور ناجائز بات کہی کہ میں تیرے ہاتھ پر بیعت نہیں کروں گا۔

اس طرح ان لوگوں نے حضرت امام سید الشہداء کو معاذ اللہ ایک احمق، ضدی اور مغرور آدمی ثابت کیا ہے جو خواہ مخواہ اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اس کتاب میں مزید گوہر افشانیہ

بھی کی گئی ہے کہ یزید کو بیعت کا مطالبہ کرنے کا حق کیوں نہیں تھا؟ جب دو آدمیوں کے سوا یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور امام حسین علیہ السلام کے سوا ساری سلطنت نے بیعت کر لی تھی تو یزید کیوں بیعت کا مطالبہ نہ کرتا؟ اس طرح امام علیہ السلام کو معاذ اللہ جھوٹا بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

اصل حقیقت!

کربلا کی کہانی، ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کی زبانی نامی قصہ بالکل بے بنیاد اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس کے راویوں میں سے زکریا بن یحییٰ مجھول راوی ہے جیسا کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ امام ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں، تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری جلد نمبر 4، ص 257 سے نقل کیا ہے، اس کی پوری سند طبری میں ہے۔

یہ کہانی خالد بن عبداللہ القسری نامی گورنر مکہ نے گھڑی ہے۔ وہ بنو امیہ کی طرف سے حجاج بن یوسف کا مقرر کردہ گورنر تھا، اور ہر جمعہ کے روز منبر پر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج:3، ص:102) یہ بہت گندہ اور برا آدمی تھا۔

مکہ کے گورنروں کے حالات پر ایک کتاب غایۃ المرام لکھی گئی ہے، اس میں اس کے حالات پڑھیں۔ امام ذھبی کہتے ہیں کہ خالد بن عبداللہ القسری ناصبی تھا۔ (میزان الاعتدال ج:1، ص:633 نمبر 2436)

اس خالد بن عبداللہ القسری کے علاوہ دنیا میں کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ امام یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے تھے۔

اس خالد کو بعد میں بنو امیہ نے ہی برطرف کر دیا، کوڑے لگائے۔ یہ بہت برے حالات میں مرا اور اُس کا انجام بہت برا ہوا۔

امام حسین علیہ السلام پر ان تین شرطوں کی پیش کش کا الزام، اس جھوٹ کے گھڑنے والوں کے گلے پڑ گیا، اہل بیت علیہم السلام کے مخالفین کا اس دور میں امام، محمد الخضری بِک تھا، اس نے اس دور میں ناصبیت پھیلائی، اس نے تاریخ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام محاضرات الامم الاسلامیہ ہے، اس نے

جب یہ بات لکھی کہ امام نے یزید کے پاس جانے کی پیش کش کی تھی تو پھر لے جانا چاہئے تھا تا کہ جھگڑا ختم ہو جاتا، یہی بات مولانا محمد منظور نعمانی کے بیٹے عتیق الرحمٰن سنبھلی نے لکھی، انہوں نے لکھا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہ پیش کش امام علیہ السلام حسین علیہ السلام نے کردی تھی ابن زیاد کیوں نہیں مانا، انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا۔مگر محمد الخضری بک نے دیکھا کہ تقدیر کا بہانہ بنا کر ابن زیاد کی جان نہیں چھوٹتی لہٰذا اس نے لکھ دیا کہ یہ کہانی ہی بالکل جھوٹی ہے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایسی کوئی پیش کش نہیں کی تھی، اس طرح ناصبیوں کا امام ہی مکر گیا کیونکہ یہ بہانہ بنانے سے مقدمہ خراب ہو جاتا ہے۔

محمد الخضری بک اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آپ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیعت کے لئے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں، مگر ان لوگوں نے آپ کی پیش کش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کریں۔'' (محاضرات لامم الاسلامیہ ج:2،ص128)

عقبہ بن سمعان حضرت حسین علیہ السلام کی زوجہ محترمہ رباب کے غلام تھے اور عمر بن سعد نے ان کو غلام ہونے کے باعث زندہ چھوڑ دیا تھا۔ان کی صاف تصریح کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ جو حافظ عزالدین ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل میں لکھ دی ہے۔

وہ لکھتے ہیں۔

''اور بلاشبہ عقبہ بن سمعان سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک ساتھ رہا اور ان کی شہادت تک ان سے کہیں جدا نہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک ان کی تمام گفتگوئیں سنی ہیں جو آپ نے لوگوں سے فرمائی ہیں۔سو اللہ کی قسم! یہ بات

آپ نے لوگوں کے سامنے کبھی رکھی ہی نہیں جس کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے اور اس سے بیعت کرلیں گے۔

(الکامل ابن اثیر جلد نمبر 4، ص 22، 33)

لہٰذا یہ دعویٰ نہ روایت کے اعتبار سے نہ درایت کے اعتبار سے صحیح کہ حضرت حسین علیہ السلام آخر وقت میں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے مکہ روانگی

امیر معاویہ کی وفات کے بعد گورنر مدینہ کو یزید نے جو پہلا خط لکھا وہ یہ تھا کہ حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر میری بیعت لو اور ذرا نرمی نہ کرنا۔ ان دونوں کو ولید گورنر مدینہ نے بلایا، وہ دونوں وہاں گئے اور بیعت یزید کے مطالبہ پر بڑی حکمت سے جان چھڑا کر گورنر ہاؤس سے نکل آئے وہ راتوں رات مکہ روانہ ہو گئے۔ مروان لعنتی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ولید کو کہا ان دونوں سے بیعت لے لو یا ابھی قتل کر دو، ان کو باہر مت جانے دو، یہ تیرے ہاتھ پھر کبھی نہ آئیں گے۔ ولید شریف آدمی نکلا اس نے کہا کیا میں ان کو صرف اس بات پر قتل کر دوں کہ یہ بیعت نہیں کرتے؟

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج:8 ص:159 پر لکھتے ہیں کہ یزید نے گورنر کو لکھا کہ ہر حال میں حسین علیہ السلام سے بیعت لو، مگر امام راتوں رات مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔

> مروان نے اسی وقت یزید کو اطلاع بھجوادی کہ ولید بن عقبہ گورنر مدینہ نے نرمی دکھائی اور شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ یزید نے ولید بن عقبہ کو جو اس کا چچا زاد بھائی تھا، فوراً معزول کر دیا، اور اس کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔ اشدق اتنا بڑا ظالم تھا کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کے مظالم سے اب تک اسلام کی آنکھیں رو رہی ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:161-162)

امام حسین علیہ السلام مکہ تشریف لے گئے، وہاں بھی یزید نے انتظام کیا کہ

حضرت حسین علیہ السلام کو دوران طواف قتل کر دیا جائے۔یہی طریقہ بعد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے حجاج بن یوسف نے اختیار کیا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ طواف کرر ہے تھے کہ ایک آدمی نے دوران طواف زہر آلود نیزہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر مار کر زخمی کر دیا اسی زہر کے اثر سے بعد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے دوران بیماری حجاج ان کی عیادت کو آیا اور پوچھا آپ کو نیزہ کس نے مارا، انہوں نے جواب دیا اس نے، جس نے حرم میں ہتھیار داخل کئے۔کبھی حرم میں بھی ہتھیار آئے تھے؟ ظالم مجھے نیزہ مروا کے اب پوچھ رہا ہے؟

(بخاری کتاب العیدین باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم ج:2،ص:57)

جفا کردی و خود کشتی بہ تیغ ظلم عاشق را
بہانہ ہیں برائے پرسش بیمار می آئی

مکہ سے کربلا کو روانگی

مدعائے سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے با چنیں سامان سفر

امام حسین علیہ السلام اپنے قتل کے منصوبہ کی اطلاع پا کر 8 ذوالحجہ کو اچانک احرام کھول کر مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔امام حسین علیہ السلام کا کہنا تھا کہ حدودِ حرم سے باہر ایک قدم نکل کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ میں حرم کی بے حرمتی کا باعث بنوں۔ (مجمع الزوائد امام ہیثمی ج:9،ص:195)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرزدق کے پوچھنے پر بتایا کہ اگر میں مکہ سے نہ نکلتا تو قتل کر دیا جاتا۔ (البدایہ والنہایہ،ج:8،ص:181)

اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی ان کی بات نہ مانی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو انہی دنوں یمن آنے کی دعوت بھی ملی تھی۔

حضرت طرماح بن عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کہا

آپ یمن تشریف لے آئیں وہاں قبیلہ بنی طے کے دس ہزار جاں نثار ہر وقت اپنی جانیں آپ پر نچھاور کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔ وہاں پہاڑوں کے درمیان ایسی غاریں ہیں جہاں شامی لشکر قیامت تک آپ کے قریب نہیں آسکیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا ابن عدی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ تمہیں خیر خواہی کا بہترین اجر دے، میں نے جس راستے کا انتخاب کرلیا ہے، وہی تقدیر میں لکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنی روانگی کی اطلاع دینے کے لئے قیس ابن مسہر رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ بھیجا۔ کوتوال شہر حصین بن نمیر نے قیس کو گرفتار کرلیا اور محل کی چھت پر لے جا کر کہا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام پر لعنت کرے۔ قیس نے جمع ہونے والے لوگوں سے کہا لوگو! امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دو، وہ اس وقت زمین پر سب سے افضل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام پر سلام بھیجا اور ابن زیاد پر لعنت کی۔ ابن زیاد کے حکم پر حضرت قیسؓ کا سر کاٹ کر زمین پر پھینک دیا گیا اور لاش کو روندا گیا، حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کی شہادت کی اطلاع راستے میں ہی مل گئی، آپ علیہ السلام نے اناللہ پڑھا اور یہ آیت پڑھی کہ کچھ لوگ اپنا وعدہ پورا کر گئے اور کچھ انتظار میں ہیں۔ (البدایہ، ج:8، ص188)

یزید نے مکہ میں حضرت امام رضی اللہ عنہ کے خفیہ قتل کا منصوبہ اس خیال سے بنایا تھا کہ حسن رضی اللہ عنہ زہر سے فوت ہو چکے تو کیا بنا؟ اب حسین رضی اللہ عنہ کو خاموشی سے قتل کرادو۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے فیصلہ کرلیا کہ پہلے بھائی کی گمنام موت کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، لہٰذا اب برسر میدان مردوں کی طرح جان دوں گا۔ سیدنا امام علیہ السلام نے اس اقدام کے بارے میں یہ فیصلے کئے۔

1۔ باطل کی حمایت کسی صورت نہیں کرنا اور حق کا ڈنکا بجانا ہے۔

2۔ چاہے جتنا بھی مشتعل کیا جائے، خوں ریزی میں پہل نہ کرنا۔ (اس طرح یزیدیوں پر حجت تمام کردی)۔

3۔ جب لڑائی شروع ہو جائے تو شیروں کی طرح مقابلہ کرنا ہے۔

راستے میں جب امام علیہ السلام کو عرب کا مشہور شاعر فرزدق ملا جو اپنی ماں کے ساتھ حج کو آرہا تھا۔ اس نے مسائل حج پوچھے۔ امام علیہ السلام نے اس سے کوفہ کا حال پوچھا تو اس نے کہا ان کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔ (ابن کثیر ج:8، ص:181، طبری، ج:4، ص:290)

راستے میں امام علیہ السلام کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی۔ آپ علیہ السلام نے ساتھیوں سے کہا جو واپس جانا چاہتا ہے، چلا جائے۔ مگر انہوں نے کہا ہمارا جینا مرنا آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

(البدایہ ج:8، ص:182، 183)

جو لوگ راستے میں ساتھ شامل ہو جاتے ان کو بھی واپس کر دیتے کہ ہمارا سفر موت کا سفر ہے، تم واپس چلے جاؤ۔ (البدایہ، ج:8، ص:183)

مقام عذیب پر ذرا اونگھ آ گئی، خواب دیکھا اور بعد میں بار بار انا للہ پڑھا۔ بیٹے نے پوچھا تو بتایا کہ خواب میں دیکھا ایک کہنے والا کہہ رہا تھا کہ یہ قافلہ موت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ (البدایہ ج:8، 189)

ادھر سے حر رضی اللہ عنہ بن یزید ریاحی ایک ہزار کا لشکر لے کر امام کے قافلہ کے پاس پہنچ گیا اور اس کو ابن زیاد نے خط لکھا کہ امام علیہ السلام کو چٹیل میدان میں اتار دو جہاں پانی نہ ہو۔ (طبری ج:4، ص311)

امام نے حر سے کہا اگر آدمی بہادری کے ساتھ مار جائے اور وہ حق پر ہو تو موت کوئی طعنہ کی بات نہیں۔ (البدایہ ج:8، ص187)

امام حسین علیہ السلام نے حر بن یزید ریاحی اور اس کے لشکر سے مقام بیضہ پر

خطاب فرمایا جس کو امام ابن جریر طبری نے تاریخ، ج:4، ص 303 پر نقل کیا ہے۔ اس خطاب کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے رسائل رضویہ ج: نمبر 2، ص: 208، 209 پر لکھا ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ جب حر بن یزید ریاحی اوّل ہزار سواروں کے ساتھ مزاحم ہوئے تو امام نے خطبہ فرمایا:

''اے لوگو میں تمہارا بلایا آیا ہوں، تمہارے ایلچی اور خطوط آئے کہ تشریف لائیے، ہم بے امام ہیں، تو میں آیا ہوں، اب اگر تم اپنے عہد پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں جلوہ فرما ہوں اور اگر تم عہد پر نہ ہو یا میرا تشریف لانا تمہیں ناپسند ہو، تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔ وہ خاموش رہے، پھر بعد نماز عصر خطبہ فرمایا اور اس کے آخر میں بھی وہی ارشاد کیا کہ اگر تم ہمیں ناپسند رکھتے ہو تو واپس جاتا ہوں، حُر نے کہا ہمیں تو یہ حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب تک ابن زیاد کے پاس آپ کو کوفہ نہ پہنچا دیں۔ جب نینوا پہنچے تو حسُر کے نام ابن زیاد خبیث کا خط آیا کہ حسین کو پڑپٹ میدان میں اترنے پر مجبور کر دو جہاں پانی نہ ہو اور یہ میرا ایلچی تمہارے ساتھ رہے گا کہ تم میرا حکم بجالاتے ہو یا نہیں، حسر نے حضرت امام کو ناپاک خط کا مضمون سنایا اور ایسی جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ زہیر بن القین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آگے جو لشکر آنے والے ہیں وہ ان سے بہت زائد ہیں۔ اذن دیجئے کہ ان سے لڑیں۔ فرمایا میں قتال میں پہل نہیں کروں گا۔ جب خبیث ابن طیب یعنی عمر بن سعد اپنا لشکر لے کر پہنچا، حضرت امام سے دریافت کیا کیسے آئے ہو؟ فرمایا تمہارے شہر والوں نے بلایا تھا، اب کہ میں انہیں ناگوار ہوں تو واپس چلا جاتا ہوں۔ ابن سعد نے یہ ارشاد ابن زیاد کو لکھا۔ اس خبیث نے نہ مانا، اللہ اس پر لعنت کرے۔ شب کو ابن سعد سے خلوت میں گفتگو ہوئی۔ اس میں بھی حضرت امام نے فرمایا

مجھے چھوڑ دو کہ میں مدینہ طیبہ واپس چلا جاؤں۔ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا اس بار وہ راضی ہوا تھا کہ شمر مردود وخبیث نے باز رکھا۔عین معرکہ میں قتال سے پہلے فرمایا اے لوگو! جب کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو چھوڑ دو کہ اپنی امن کی جگہ چلا جاؤں۔اشقیاء نے نہ مانا۔غرض جب سے برابر قصد امن تھا مگر ممکن نہ ہوا کہ منظور رب یونہی تھا۔جنت آراستہ ہو چکی تھی، اپنے دولہا کا انتظار کر رہی تھی، وصال محبوب حقیقی کی گھڑی آ گئی تھی۔تو ہرگز لڑائی میں امام کی طرف سے پہل نہ تھی ان خبیثوں ہی نے مجبور کیا۔اب دو ہی صورتیں تھیں، یا بخوفِ جاں اس پلید کی وہ بیعت قبول کی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا اگرچہ خلاف قرآن وسنت ہو، یہ رخصت تھی، ثواب کچھ نہ تھا یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک بیعت نہ کی جاتی، یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم اور یہی ان کی شانِ رفیع کے شایاں تھا اسی کو اختیار فرمایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم ہو، اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتا ہو، جو اللہ کے عہد کو توڑتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل پیرا ہو، جو رعایا کے ساتھ ظلم و جور سے پیش آتا ہو، اگر ان افعال کو دیکھنے والا شخص قولاً یا فعلاً اسے نہیں روکتا، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھی اس ظالم کے اعمال میں شریک کرے گا۔سنو ان حاکموں نے شیطان کی اطاعت قبول کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک کر دی ہے۔فساد کو فروغ، حدود شرع کو معطل، غنیمت کو ذاتی مال، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر رکھا ہے۔ان پر اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ حق مجھے ہے۔تم لوگوں نے مجھے خط لکھے، تمہارے ایلچی میرے پاس تمہاری طرف سے اس بات کی بیعت کرنے آتے کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے مجھے دشمن کے حوالے نہ کرو گے، اگر تم اپنی بیعت کو پورا کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔میں حسین علیہ السلام ہوں، علی علیہ السلام کا بیٹا ہوں فاطمہ علیہا السلام بنت

رسول اللہ ﷺ کا فرزند ہوں، میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے، میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں، میں تمہارا پیشوا ہوں، اگر تم ایسا نہیں کرو گے اور اپنا عہد توڑو گے تو تمہاری طرف سے یہ کوئی نئی بات نہیں، یہی سلوک تم نے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ بھی کیا ہے۔ اللہ مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔

ابن زیاد بدنہاد کا مطالبہ

امام ابن کثیر نے البدایہ میں ج:8 ص201 پر ابن زیاد کے حالات لکھتے ہیں، اس میں لکھتے ہیں کہ اس کی سرکشی یہ بھی ہے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو میرے روبرو پیش کرو، چاہے قتل کر کے پیش کرو۔ میں امام کے امان کا کوئی وعدہ نہیں کرتا، وہ آ کر غیر مشروط طور پر میرے پاس پیش ہوں، یہ میں بعد میں دیکھوں گا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی واپس جانے کی پیش کش ماننا فرض تھی، مگر شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ پر انکار کر دیا اور جو شمر کہہ رہا تھا مان لیا۔ امام نے انکار کر دیا۔ ابن زیاد مردود اور نامراد ہو کر دنیا سے چلا گیا۔ ابن رسولؐ کے یہ شایاں نہیں تھا کہ وہ ابن مرجانہ خبیث کے سامنے پیش ہوتے۔

امام نے ابن سعد کے قاصد کثیر بن عبداللہ الشعبی، جو تمیمی اور حبیب ابن مظاہر رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا بھانجا تھا، کو کہا اگر میرا آنا ناگوار ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں اس پر عمر بن سعد نے ابن زیاد کو خط لکھا۔ (طبری، ج:4، ص311)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ آگے لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے خط کے جواب میں لکھا کہ حسین علیہ السلام یا تو یزید کی بیعت کریں یا خود کو میرے رحم وکرم پر چھوڑیں۔ (ابن زیاد نے پھر خط لکھا کہ امام علیہ السلام کا پانی بند کر دو۔ (طبری ج:4 ص311)

امام نے عباس رحمۃ اللہ علیہ اور زہیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ابن سعد سے پوچھا کہ میری تجویز کا کیا جواب آیا ہے؟ اس نے کہا میرے حکم کے سامنے سر جھکا دو

ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (طبری، ج:4،ص:315)

امام نے ایک رات کی مہلت طلب کی (طبری، ج:4،ص:316) امام علیہ السلام کو ایک رات کی زندگی سے کیا فائدہ تھا؟ دراصل امام مہلت لے نہیں رہے تھے بلکہ مہلت دے رہے تھے کہ خوب سوچ لو، دوزخ جانا ہے یا جنت جانا ہے۔ اسی رات بہت سے خوش نصیب مخالف فوج سے نکل کر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

نمازِ عشاء کے بعد امام نے ساتھیوں سے خطاب فرمایا اور کہا تم واپس چلے جاؤ، یہ لوگ صرف میری جان لینا چاہتے ہیں۔

(طبری ج:4،ص317، البدایہ ج:191،192)

اس پر مسلم بن عوسجہ اسدی سمیت تمام ساتھیوں نے باری باری وفاداری کا یقین دلایا اور کہا یہ تو ایک بار مرنا ہے، اگر بار بار بھی مرنا ہوتا تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ امام نے ان کو دعا دی۔ (طبری، ج:4،ص:318)

خبیث ابن طیب، عمر ابن سعد

دو محرم 61ھ کو امام کا قافلہ کربلا میں پہنچا۔ اسی کے دوسرے دن عمر بن سعد چار ہزار سپاہ کے ساتھ کوفہ سے وہاں وارد ہوا۔ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی کا بیٹا تھا۔ وہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ عمر بن سعد کے شر سے اس کے باپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی پناہ مانگی تھی۔

مسلم کتاب الزہد کے شروع میں بارھویں روایت (ج:6،ص:482،483) میں عامر بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں تھے۔ اتنے میں ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا کہا میں اس سوار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر وہ اترا اور بولا: ''تم اپنے اونٹوں اور بکریوں میں اترے ہو اور لوگوں کو چھوڑ دیا، وہ

سلطنت کیلئے جھگڑ رہے ہیں۔'' سعدؓ نے اس کے سینہ پر مارا اور کہا چپ رہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اللہ اس بندے سے محبت رکھتا ہے جو پرہیز گار ہو، مال دار ہو اور فتنہ کے وقت ایک کونے میں چھپا بیٹھا ہو۔

یہ عمر بن سعد رَے کی گورنری کا امیدوار تھا۔ ابن زیاد نے اسے دیلم پر لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ یہ فوج کے ساتھ کوفہ سے باہر مقیم تھا کہ انہی دنوں امام حسین علیہ السلام کا معاملہ پیش آ گیا۔ ابن زیاد نے سعد کو بلایا اور کہا پہلے یہ معاملہ نپٹاؤ، اسی شرط پر تمہیں رَے کی گورنری ملے گی اور یہی تمہاری وفاداری کا امتحان ہے۔

عمر بن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ تمام لوگوں نے اسے اس حرکت سے منع کیا۔ اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے بھی کہا خدا کے واسطے امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ سے باز رہو۔ اس میں اللہ کی معصیت بھی ہے اور قطع رحمی بھی، اس دنیا کے تمام مال و دولت سے محروم ہونا اور حکومت چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ اللہ کے سامنے حسین علیہ السلام کے قتل میں ملوث ہو کر جاؤ۔

(طبری ج:4،ص:309،310)

رات اسی کش مکش میں گزار کر صبح ابن زیاد کے پاس گیا کہ میری جگہ کسی اور کو بھیج دو کوفہ میں اتنے بہادر ہیں۔ ابن زیاد نے کہا میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا، اگر تم نہیں جانا چاہتے تو سیدھی طرح بتاؤ۔ پھر یہ لشکر لے کر کوفہ سے کربلا پہنچ گیا۔

امام زین العابدین علی بن حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نو محرم کی شام میری پھوپھی زینب علیہا السلام میری تیمارداری کر رہی تھیں اور ابا جان اس مضمون کے

شعر بار بار پڑھ رہے تھے۔ ''اے دہر ناپائیدار تجھ پر افسوس۔ کیا برا دوست ہے تو کہ صبح وشام کسی دوست یا دشمن کو مار دیتا ہے۔ ایک کے عوض دوسرے کو قبول نہیں کرتا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ جو زندہ ہے اسے اسی راستے سے واپس جانا ہے۔ (طبری، ج:4، ص:318، البدایہ، ج:8، ص:192)

جب سیدہ زینب علیہا السلام نے یہ شعر سن کر بے قراری ظاہر کی تو فرمایا بہن! دیکھنا کہیں شیطان تیرے حلم کو ضائع نہ کر دے۔ صبر کرو، زمین پر سب مرنے والے ہیں۔ اللہ کے سوا سب چیزیں مٹ جانے والی ہیں۔ میرے باپ اور بھائی مجھ سے بہتر تھے، میری ماں تجھ سے بہتر تھیں۔ مجھے اور سب مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال سے سکون حاصل کرنا چاہئے۔ میرے بعد میرے مشن کو تم نے مکمل کرنا ہے۔ کل کے بعد تم پر اس سے سخت مصائب آنے والے ہیں۔ ان بچوں کا اللہ کے بعد تم ہی واحد سہارا ہو۔

(طبری ج:4، ص:319، البدایہ ج:8، ص:192، 193)

اس کے بعد سیدہ زینب علیہا السلام نے صبر و استقلال کا بے مثال مظاہرہ کیا اور کسی نے ان کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھے۔

اس رات حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے تمام ساتھی رات بھر عبادت کرتے رہے۔ آپ کا ایک ساتھی روایت کرتا ہے کہ میں خیمے کے پاس سے گزرا تو آپ علیہ السلام سورہ آلِ عمران: 179/3 تلاوت فرما رہے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو مہلت اُنہیں دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے، نہیں بلکہ ہم ان کو مہلت اس لئے دے رہے ہیں کہ اور گناہ کر لیں، آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔ جب تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے، اللہ مومنوں کو اس حال میں نہ رہنے دے گا۔'' (البدایہ ج:8، ص:193)

دس محرم، سانحہ کربلا

سیدنا امام حسین علیہ السلام کے جھنڈے پر یہ شعر درج تھا۔

وَاِنْ کَانَتِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوتِ اُنْشِئَتْ
فَقَتْلُ امْرِیءٍ فِیْ اللّٰہِ اَوْلٰی وَاَفْضَل

جب یہ جسم بنے ہی موت کے لئے ہیں تو پھر اللہ کی راہ میں موت بہتر اور افضل ہے۔ فارسی کا یہ شعر سیدنا امام حسین علیہ السلام پر بالکل صادق آتا ہے۔

شدیم خاک و لیکن زبوئے تربت ما
تواں شناخت کہ ازیں خاک مرد می خیزد

''ہم خاک ہو گئے لیکن ہماری قبر کی خوشبو سے تو پہچان لے گا کہ اس قبر سے قیامت کے دن کوئی مرد اٹھے گا۔''

10 محرم 61ھ کو سیدنا حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد اپنی فوج کی صفیں درست کیں۔ آپ نے دائیں ہاتھ پر (میمنہ) زہیر بن قیس، بائیں ہاتھ (میسرہ) پر حبیب ابن مظاہر کو مقرر فرمایا، علم اپنے بھائی عباس بن علی علیہ السلام کو دیا۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حنوط لگالیا، وہ خوشبو جو میت کو لگاتے ہیں۔ سیدنا امام علیہ السلام نے اپنے خیموں کی پشت پر آگ جلا دی تا کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ شمر ادھر سے گزرا تو کہنے لگا حسین علیہ السلام تم نے قیامت سے پہلے ہی آگ میں جانے کی جلدی کی۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا او بکریاں چرانے والی کے بیٹے! آگ میں تُو جلے گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ نے عرض کی اے ابن رسولؐ! میں آپ پر فدا، کہیں تو میں اس کو تیر ماروں، یہ میری زد میں ہے۔ آپ نے کہا نہیں میں خونریزی کی ابتداء نہیں کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8، ص:193)

شمر کی پھوپھی ام البنین بنت حرام حضرت علی کے نکاح میں تھیں۔ان کے بطن سے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔شمر نے ابن زیاد سے ان کے لئے امان حاصل کر لی تھی۔اس نے فوجوں کے درمیان آ کر ان چاروں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگوں کے لئے امان ہے۔انہوں نے کہا تجھ پر بھی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت ، تو ہم کو امن دیتا ہے اور ابن رسول علیہ السلام کی جان کے در پے ہے۔ (طبری ج:4، 314)

امام حسین علیہ السلام فوجوں کے درمیان سوار ہو کر آئے اور بلند آواز میں فرمایا سنو! میرے ساتھ جنگ میں جلدی نہ کرو اور تم لوگوں کے پاس آنے کا عذر بیان کرنے دوں۔اگر میری بات کو صحیح سمجھو گے تو نیکی حاصلکرو گے، میرے ساتھ انصاف کرو، یہ تمہارے لئے فلاح کا راستہ ہے۔پھر آپ نے سورہ یونس: 71/10 اور سورہ اعراف: 96/7 تلاوت فرمائی۔سورۂ یونس کی آیت کا ترجمہ یہ ہے "اور ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنا دو۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیات سے نصیحت کرنا نا گوار ہو تو میں خدا پر بھروسا کرتا ہوں۔تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر جو کام میرے بارے میں کرنا چاہو مقرر کر لو اور وہ تمہاری جماعت کو معلوم ہو جائے اور کسی سے پوشیدہ نہ رہے۔پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔"

سورۂ اعراف کی آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیز گار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔مگر انہوں نے تو تکذیب کی۔سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔"

اس کے بعد حمد و ثناء کی، درود پڑھا اور فرمایا کہ میرے خاندان کا خیال کرو

میں کون ہوں؟ پھر اپنے دل سے پوچھو کیا یہ قتل کرنا اور میری توہین کرنا تم لوگوں کے لئے جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی علیہ السلام کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی اور ابن عم کا فرزند نہیں ہوں؟ جو کہ سب سے پہلے اپنے رب پر ایمان لائے اور نبی علیہ السلام کی تصدیق کی۔ کیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا نہیں؟ کیا جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں سنا کہ ہم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ میں نے تم سے جو بھی کہا وہی حق بات ہے۔ اگر تم میری تصدیق کرو گے تو سن لو جب سے مجھے یہ علم ہوا ہے کہ اللہ جھوٹ بولنے والوں سے بے زار ہے، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں ایسے موجود ہیں جو میری بات کی تصدیق کریں گے۔ تم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں یہی فرمایا ہے۔ کیا یہ امر بھی میرا خون بہانے سے تم لوگوں کو مانع نہیں؟

پھر آپ نے کہا اگر میری اس بات میں شک ہے تو اس بات میں تو شک نہیں کہ میں تمہارے نبی علیہ السلام کا نواسہ ہوں۔ اللہ کی قسم! مشرق و مغرب میں اور کوئی بھی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ تم لوگ کیوں میری جان لینا چاہتے ہو...... کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے، جس کا قصاص تم مجھ سے لینا چاہتے ہو؟

پھر آپ نے ان لوگوں کا نام لے لے کر پکارا جنہوں نے آپ کو خط لکھے تھے اور فرمایا کیا تم نے نہیں لکھا تھا کہ میوے پک گئے، باغ سرسبز ہو گئے

ہیں، تالاب چھلک رہے ہیں، آپ کی مدد کیلئے لشکر یہاں تیار ہیں، آپ آیئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! تم لوگوں نے ہی خط لکھے تھے لوگو! اگر میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں کسی گوشہ امن کی طرف نکل جاتا ہوں۔

(طبری ج:4، ص:322-323، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:193)

یزیدی فوج میں سے قیس ابن اشعث نے کہا تم اپنے قرابت داروں کے آگے سر کیوں نہیں جھکا دیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ آخر تو محمد ابن اشعث کا بھائی ہے۔ اب تو یہ چاہتا ہے کہ مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ کے خون سے بڑھ کر بنی ہاشم کو تجھ سے مطالبہ ہو؟ اللہ کی قسم، میں نہ تو ذلت سے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح اقرار کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

''موسیٰ نے کہا میں ہر متکبر سے جو حساب کے دن یعنی قیامت پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں۔''

(سورہ مومن: 40، آیت: 27) (البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج:8، ص:195)

راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسی فصیح و بلیغ تقریر (پھر ایسے نازک حالات میں) اس سے پہلے سنی نہ اس کے بعد سنی۔''

جب ابن سعد حملے کے لئے آگے بڑھا تو حر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ تیرا بھلا کرے، کیا تو ان سے لڑے گا؟ کیا تم اس کی بات نہ مانو گے؟ عمر بن سعد نے کہا اللہ کی قسم اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا لیکن تیرا امیر (ابن زیاد) نہیں مانتا۔

(طبری ج:4، ص:325، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:195)

یہ سن کر حُر نے امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس کی برادری کا ایک آدمی مہاجر ابن اوس اسے دیکھ رہا تھا۔ ابن اوس نے کہا میں

نے تمہاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی۔ اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ کوفہ کا سب سے بہادر آدمی کونسا ہے تو میں تیرا ہی نام لوں گا۔ حر نے جواب دیا اپنے دل سے پوچھ رہا ہوں کہ دوزخ جانا چاہتا ہے یا جنت میں، یہ کہہ کر حر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے عرض کی اے ابن رسولؐ! میری جان آپ پر فدا، میں ہی وہ شخص ہوں جس نے آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ اللہ وحدہ لاشریک کی قسم! میں نہیں سمجھتا تھا کہ حالات اس نہج پر پہنچ جائیں گے۔ اگر مجھے اس بات کا اندازہ ہوتا کہ یہ لوگ آپ کی بات نہیں مانیں گے تو میں کبھی یہ کام نہ کرتا۔ مجھ سے جو قصور ہوا، میں اپنے رب سے معافی مانگنے اور اپنی جان آپ پر قربان کرنے آیا ہوں۔ یہ فرمایئے میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ امام نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کر کے تجھے بخش دے گا۔ امام نے پوچھا، تیری ماں نے تیرا نام کیا رکھا تھا؟ اس نے کہا حر! فرمایا جا تو دوزخ کی آگ سے آزاد ہو گیا، اب گھوڑے سے اتر آ۔ حر نے عرض کی اب مجھے اجازت عطا فرمائیں، اب گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ میں ان لوگوں سے لڑوں گا اور موت کے بعد ہی گھوڑے سے اتروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا اللہ تم پر رحم کرے۔ (طبری، ج:4، ص:325)

اس کے بعد حر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔

''لوگو! حسین علیہ السلام نے جو باتیں تمہیں پیش کیں وہ تم نہیں مانتے، خدا تم کو ان سے جنگ میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ اللہ تمہیں ہلاک کرے، تم نے انہیں بلایا۔ جب وہ چلے آئے تو انہیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم کہتے تھے کہ ہم ان پر جاں نثار کر دیں گے۔ اب انہی کی جان لینے پر تلے ہوئے ہو؟ انہیں اللہ کی بنائی وسیع زمین میں کسی طرف جانے نہیں دیا تا کہ وہ اپنے اہل

بیت کے ساتھ امن سے رہیں۔تم نے ان کے اہل خانہ، بچوں اور ساتھیوں کو فرات کا پانی پینے سے روکا، جسے یہودی، مجوسی اور عیسائی پیتے ہیں۔ پیاس کی شدت سے بچے بلک رہے ہیں۔اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی محشر میں سیراب نہ کرے۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:196)

حُر وہاں سے پلٹ کر امام حسین علیہ السلام کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

عروس دھر سنا ہے کہ چند دیوانے
لہو کے عطر سے گیسو ترے سنوار آئے

اس سے پہلے عمر بن سعد جنگ میں ٹال مٹول کر چکا تھا۔پھر شمر لعین ابن زیاد کا سخت پیغام لیکر آیا اور ارادہ پوچھا۔عمر بن سعد نے پیغام سن کر کہا لشکر تجھے نہیں ملے گا، یہ کام میں خود کروں گا۔ (طبری، ج:4،ص:314،315)

لشکر کو دیکھ کر حضرت زینب علیہا السلام امام کے پاس تشریف لائیں تو اس وقت امام تلوار کے دستے پر سر کی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔حضرت زینب علیہا السلام نے لشکر کی طرف توجہ دلائی تو امام علیہ السلام نے اپنا خواب سنایا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، حسین علیہ السلام اب ہمارے پاس آ جاؤ۔

(طبری ج:4،ص:315،البدایہ والنہایہ ج:8،ص:197)

حر بن یزید ریاحی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان میں تیر جوڑا اور لشکر سے کہنے لگا کہ تم سب ابن زیاد کے سامنے میری گواہی دینا کہ سب سے پہلا تیر میں نے مارا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:197)

جنگ سے پہلے امام کے ساتھیوں اور اہل بیت علیہم السلام میں اس بات پر بحث ہوئی کہ پہلے ہم جانیں دیں گے۔جنگ شروع ہوئی تو امام کے ساتھیوں نے بہادری کے بے مثال مظاہرے کئے۔امام حسین علیہ السلام کی طرف سے سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ شہید ہوئے۔

جب وہ زخمی ہوکر گرے تو امام کی طرف ہاتھ اٹھا کر ساتھیوں سے کہا میں تمہیں امام کی مدد کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ ہم ایسا ہی کریں گے۔
(طبری، ج:4،ص:331)

سیدنا امام حسین علیہ السلام کے موذن حضرت ابوثمامہ عمرو بن عبداللہ الصائدی رضی اللہ عنہ تھے۔ (طبری ج:4،ص:334)

جب ظہر کی نماز کا اوّل وقت شروع ہوا تو ابوثمامہ نے عرض کی ''ابوعبداللہ میری جان آپ پر فدا، نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اس نماز کے بعد میں حق تعالیٰ سے ملاقات کروں گا۔ آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اللہ تجھے سچے نمازیوں اور اہل ذکر میں شمار کرے کہ تم نے نماز یاد دلائی۔ ہاں یہ نماز کا اوّل وقت ہے۔ ان لوگوں سے پوچھ ہمیں اتنی مہلت دیں تا کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ مگر وہ لوگ جنگ سے باز نہ آئے۔ ابوثمامہ رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔ چند ساتھی آپ کے سامنے پہرہ دے رہے تھے۔ دشمن آپ علیہ السلام کے بہت قریب پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر سعید بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور آپ کو بچاتے ہوئے بے شمار تیروں کا نشانہ بن کر گر گئے، اور شہید ہوگئے۔
(طبری، ج:4۔ص:336)

امام نے ایسے حالات میں بھی نماز نہ چھوڑی۔ اہل بیت میں سے سب سے اوّل علی اکبر علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ انہیں مُرّہ نے برچھی مار کر گرادیا۔ دشمنوں نے آپ کو گرنے کے بعد تلواریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اسی طرح حضرت امام کے بھائی بھتیجے، بھانجے شہید ہوتے رہے اور امام ان کی لاشیں اٹھاتے رہے۔

امام حسین علیہ السلام پر جو بھی حملہ آور ہوتا وہ قریب پہنچ کر واپس چلا جاتا۔ ہر شخص آپ کو قتل کرنے اور اس گناہ کو سر لینے سے گریز کرتا تھا۔ آخر مالک بن نسیر کندی نے آپ کے

سر پر تلوار ماری۔ خون سے آپ علیہ السلام کی ٹوپی لبریز ہوگئی۔ آپ تھکن اور زخموں کی شدت سے نڈھال ہوکر اپنے خیمے کے سامنے گر گئے۔ کسی نے بچہ لاکر آپ کی گود میں بٹھا دیا۔ یہ بچہ عبداللہ بن حسین علیہ السلام تھا جس کو عام طور پر علی اصغر علیہ السلام کہتے ہیں۔ بچے کی عمر اس وقت 6 ماہ تھی۔ حرملہ نے تیر مارا جو بچے کے حلق پر لگا۔ خون کا فوارہ چھوٹا۔ امام نے دونوں ہاتھوں میں خون بھر کر اُچھالا اور کہا اے اللہ! اگر تو اس بات پر راضی ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھے تو میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ آپ زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کی شدت نے آپ کا برا حال کر دیا تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی آپ علیہ السلام میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ (اختصار از طبری، ج:4، ص:337-345)

ہاں وہ حسینؑ جس کا صبر آزما ثبات
کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درون پردۂ صد رنگِ کائنات
اک کار ساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف
(جوش ملیح آبادی)

سیدنا امام حسین علیہ السلام کو یزیدی فوج کے ایک سپاہی عبداللہ نے یوں خراج تحسین پیش کیا۔ "واللہ میں نے کسی بے کس اور بے بس کو، جس کی اولاد و انصار قتل ہو چکے ہوں، اتنے ہوش و حواس سے انتہائی استقامت، جراءت اور دلیری سے لڑتے نہیں دیکھا۔ میں نے ان کی مثل نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں، ان کے دائیں بائیں سے حملہ آور اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے شیر سے ڈر کر بکریاں بھاگتی ہیں۔" (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:204)

ہر شخص امام حسین علیہ السلام کے قتل سے بچنا چاہتا تھا۔ آخر شمر لعین نے للکارا، تمہاری مائیں تمہیں روئیں، اب کس بات کا انتظار ہے، انہیں قتل کر دو۔ پھر ہر طرف سے حملہ شروع

ہوا۔ پہلے تیر مارے۔ پھر زرعہ بن شریک نے امام علیہ السلام کے بائیں کندھے پر تلوار ماری۔سنان نے نیزہ مارا، آپ علیہ السلام گر پڑے۔ سنان بن انس نخعی لعنۃ اللہ علیہ نے آپ علیہ السلام کو ذبح کر کے سر کاٹ لیا۔ (طبری، ج:4،ص:346)

یہ اس شخص سے سلوک تھا جس کے بارے میں عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا تھا اس وقت روئے زمین پر حسین علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں۔ (مجمع الزوائد ج:9،ص:179)

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ،** ج:2،ص:21 پر لکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تو عمر بن سعد نے ایک گروہ کو حکم دیا کہ امام کے بدن کو گھوڑوں پر سوار ہو کر روند دو۔ چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور امام کے بدن پاک کو روندا۔

گرچہ ہر مرگ است برمومن شکر
مرگِ پور مرتضٰی چیزے دگر

ابن اثیر **اسد الغابہ فی معرفتۃ صحابہ** ج:2،ص:205 پر لکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تو عمر بن سعد نے ایک گروہ کو حکم دیا کہ امام کے بدن کو گھوڑوں پر سوار ہو کر روند دو چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور امام کے بدن پاک کو روندا

البدیہ والنہایہ ج:8،ص:205 پر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دس سواروں نے آپ کی لاش کو پامال کیا۔ یہی طبری ج:4،ص:347 پر اور شہادت حسین ص:62 پر ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد قاتلوں نے آپ کا لباس اتار لیا، خیموں کو لوٹ لیا۔ عورتوں کے سروں سے چادریں تک اتار لیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے چھ بھائی، دو بیٹے اور تین بھتیجے شہید ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:205-204، طبری، ج:4،ص:347)

ظلم سہے جو کہے نئیں جا سکدے
اے پر صبر دے بنے دکھا دتے

کربل وچ حسینؑ نے خون دے کے
ذرّے ریت دے تارے بنا دتے

امام کے بدن مبارک کو پامال کرنے کے بعد عورتوں اور بچوں کو قید کر کے شہداء کی لاشوں کے پاس سے گزارا گیا۔ اس وقت سیدہ زینب علیہا السلام نے مدینہ کی طرف رخ کر کے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیکھیں! گرم ریت پر کس طرح آپ علیہ السلام کا بیٹا بے لباس پڑا ہوا ہے۔ وہ اور ان کے ساتھی بے سر و بدن کے پڑے ہیں۔ ہوا کے ساتھ ریت اڑ کر ان کے بدن پر پڑ رہی ہے اور وہ ہی ان کا کفن ہے۔

اس وقت دشمن کی فوج میں کوئی ایک شخص بھی نہ رہا جو نہ رویا ہو۔

چھ ماہ کا معصوم پیاسا مقتول علی اصغر علیہ وعلیٰ آبائہِ السلام جس کا ننھا جسم گرم ریت پر بے کفن پڑا ہوا ہے اور بے بس قیدی ماں پاس سے اونٹ پر بندھی ہوئی گزر رہی ہے۔

اے اسلام کے دعویدارو!

پوتا علیؑ کا تم سے طلب گار آب ہے
دے دو کہ اس میں ناموری ہے ، ثواب ہے
(میر انیس)

جے کر من دے بیت رسولی تے پانی بند کیوں کردے ہو
جے کر لحاظ سرورؑ دا کر دے تے خیمے تنبو کیوں سٹر دے ہو
پانی پین فرات دا سور کتے
کھڑیاں بیبیاں رہن ترہائیاں نیں

یزیدی فوج نے اپنے سب مقتول خبیثوں کا جنازہ پڑھا اور دفن کیا۔ مگر اہل بیت کرام اور ان کے ساتھی شہیدوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دیں۔ نہ جنازہ پڑھا نہ دفن کیا۔ عراق کے سابقہ وزیر، ہبۃ الدین الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح لکھا کہ امام اور ان کے ساتھیوں کو اس بات کی حاجت ہی نہیں تھی کہ یزیدی ملعون ان کا جنازہ پڑھتے۔ ان پر تو اللہ کے فرشتے درود و سلام پڑھ رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سکینہ بنت حسین علیہ السلام تھیں۔ جب مصعب، عبدالملک کے خلاف جنگ کے لیے جانے لگے تو ناموافق حالات کے پیش نظر سکینہ علیہا السلام نے انہیں روکا۔ مصعب نے کہا سکینہ! تیرے باپ حسین علیہ السلام نے کسی حلال زادے کے لیے کوئی بہانہ نہیں چھوڑا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:338)

اکثریت پر نہیں حق اور صداقت کا مدار
دے کے سر سمجھا گئے ہم کو حسین ابن علیؑ

عمر بن سعد محدثین کی نظر میں

کیا کوئی مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو عمر بن سعد کو برا نہ جانے؟ میزان الاعتدال میں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام سے جنگ عمر بن سعد نے اس لیے کی تا کہ سرداری مل سکے اور بہت سے ایسے کرتوت کیے جو نہ کرنے والے تھے۔ شعبہ نے ابی اسحٰق سے اور اس نے عیزار بن حریث سے اور روایت کیا کہ ایک دن عیزار بن حریث نے کہا عمر بن سعد یہ روایت کرتا ہے تو اسی وقت ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا اے عیزار! تجھے خدا کا خوف نہیں کہ تو عمر بن سعد سے روایت کرتا ہے؟ عیزار بن حریث رو پڑے اور کہا آج کے بعد اس سے روایت نہیں کروں گا۔

احمد بن زہیر بیان کرتے ہیں کہ امام یحییٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ عمر بن سعد ہے تو ثقہ امام نے فرمایا حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والا ثقہ کیسے ہو سکتا ہے۔

مولانا امیر علی لکھتے ہیں کہ یہ جو اِجلی تابعی نے کہا کہ عمر بن سعد ثقہ ہے تو اس بات سے میرے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ رب کی قسم! اِجلی تابعی کی بات کی طرف کان تک نہ دھریں گے نہ اسے قبول کریں گے۔ صرف ایک عذر کی وجہ سے احبری کو معافی دے سکتے ہیں کہ روایت کرتے وقت عمر بن سعد کا جھوٹ اس کے سامنے نہ آیا ہو۔ یہ تاویل ہو سکتا ہے اِجلی تابعی کے ذہن میں ہو اور یہ جو تاویل ہے، یہ صرف ظن ہے۔ اندازہ، جبکہ دوسری طرف عمر بن سعد کا عظیم فسق علانیہ ظاہر ہے

تو اس کے مقابلے میں ظن ہے، اندازہ ہے، جبکہ دوسری طرف عمر بن سعد کا عظیم فسق علانیہ ظاہر ہے تو اس کے مقابلے میں ظن اور اندازہ کہاں باقی رہ گیا؟ اگر کوئی کہے کہ اس نے حاکم کی بات مانی تو یہ تاویل باطل ہے کیونکہ **لا طاعة المخلوق فی معصیة الخالق**، اور گناہ بھی کیسا؟ قتل حسین علیہ السلام!

مولانا امیر علی ملیح آبادی۔ کربلا کے ایک دوسرے کردار شمر لعین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میزان الاعتدال میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ نماز کے بعد شمر بن ذوالجوشن (اس کا باپ ذوالجوشن صحابی تھا) دعا کرتا تھا "اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں بڑا شریف (معزز) ہوں، میری دعا قبول کر، یہ سن کر ایک آدمی بولا تیری دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے جبکہ تو نے حسین علیہ السلام سے کیا جو کیا۔ شمر لعین بولا، ہم کیا کرتے، ہم نے حاکم وقت کا حکم مانا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شمر کا یہ بہانہ بالکل غلط ہے۔

مولانا امیر علی ملیح آبادی نے تقعیب التہذیب میں یہ خلاصہ نکالا:

"عمر بن سعد اور ان کے ساتھی کم از کم فاسق ضرور تھے۔ ان لوگوں کو رد کرنے ہی میں مسلمانوں کے دلوں کی ٹھنڈک اور اسلام کی عزت ہے۔ اگر چہ یہ ضروری نہیں کہ فاسق ہر بات میں جھوٹ ہی بولے۔ ان سے کوئی روایت قبول نہ کی جائے گی۔"

شمر کے بارے میں مولانا امیر علی لکھتے ہیں کہ اس نے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا۔ وہ خبیث اور افسق الفساق تھا۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔

(تقریب التھذیب، ابن حجر، مع حاشیہ، تقعیب التھذیب از مولانا امیر علی، شاگرد میاں نذیر حسین محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ص 226)

شمر کا باپ ذی الجوشن ابوداؤد کا راوی ہے۔ وہ صحابی تھا۔ اس نیک آدمی سے مطرود (لعنتی) شمر پیدا ہوا جس نے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسلحہ اٹھایا۔ (ایضاً ص: 152)

بعد از شہادت حسین علیہ السلام

بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسنؑ و الحسینؑ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عبید اللہ ابن زیاد کے پاس امام حسین علیہ السلام کا سر لایا گیا جو ایک طشت میں رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک چھڑی آپ علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر مارنے لگا اور آپ علیہ السلام کی خوبصورتی کے متعلق کچھ کہنے لگا (کہ میں نے تو سنا تھا حسین علیہ السلام بہت خوبصورت ہے، یہ طنزاً کہا)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا امام حسین علیہ السلام سب لوگوں علیہ السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بالوں پر وسمے کا خضاب تھا۔ (ابن حجر، فتح الباری ج:7،ص:94)

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ شہادت حسین، ص:68 پر لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے حضرت حسین علیہ السلام کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ مولانا اس کتاب کے ص:67-68 پر لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق کو ظاہر کیا اور حق والوں کو فتح یاب کیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی رضی اللہ عنہ (جو علی علیہ السلام کے مشہور ساتھی ہیں اور جنگ جمل صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلائے، خدا کی قسم اے ابن مرجانہ کذاب ابن کذاب تو ہے نہ حسین ابن علی علیہ السلام، ابن زیاد نے یہ سن کر ان کو قتل کر ڈالا۔"

مفتی محمد شفیع دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شہید کربلا میں لکھتے ہیں "ابن زیاد کی شقاوت

نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ حضرت حسین علیہ السلام کے سر کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھمایا جائے تا کہ سب لوگ دیکھ لیں۔ اس کے بعد اس کو اور دوسرے سروں کو یزید کے پاس ملک شام بھیج دیا۔"

مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین علیہ السلام کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب یہ تقدیر بھی امام مظلوم کے جسدِ پاک پر پوری ہوئی۔ دس شہسواروں نے گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک کو روند ڈالا۔"

پھر فرماتے ہیں کہ دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ تمام مقتولوں کے سر کاٹ کر ساتھ لے گئے...... ابن زیاد نے حضرت سید الشہداء کا سر ایک بانس پر نصب کیا اور اہل بیت علیہم السلام کے معصوم و مظلوم بچوں اور عورتوں کے ساتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ (خدام الدین لاہور۔ جون 1963ء)

جب ابن زیاد چہرہ مبارک پر چھڑیاں مار رہا تھا تو صحابی رسولؐ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد سے کہا اس چھڑی کو ہٹا۔ اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جگہ کو بوسے دیتے دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا خدا تجھے رلائے اگر تو بڈھا کھوسٹ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے "اے قوم عرب آج کے بعد تم سب غلام ہو گئے۔ تم نے فاطمہ علیہا السلام کے بیٹے کو قتل کیا، ابن مرجانہ کو حاکم بنایا، جو تم میں سے چن چن کر نیک آدمیوں کو قتل کرتا ہے اور شریر لوگوں کو تم پر مسلط کرتا ہے۔ تم نے ذلت کو گوارا کر لیا۔ ذلت قبول کرنے والوں پر اللہ کی مار۔" (یہ تھا ابن زیاد کی نظر میں صحابی کا احترام)

(فتح الباری، ج:7، ص:96۔ البدایہ والنہایہ ج:8، ص:207)

ابن زیاد کے سامنے حضرت زینب علیہا السلام، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور دیگر عورتوں اور بچوں کو بھی پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے سیدہ زینب علیہا السلام سے کہا: "خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا، انہیں قتل کیا اور تمہاری کہانیوں کو جھوٹا کیا۔" سیدہ علیہا السلام نے

جواب دیا ''اللہ کا شکر اور حمد ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے ہم کو عزت بخشی، ہمیں پاک کیا، رسوا اور جھوٹا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو۔'' ابن زیاد نے کہا ''تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے خاندان کے ساتھ خدا نے کیا سلوک کیا۔'' سیدہ زینب علیہا السلام نے فرمایا ''ان کے نصیب میں شہید ہونا لکھا تھا۔ وہ اپنے مقتل کی طرف چلے آئے۔ اب تو بھی اور وہ لوگ بھی اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ وہیں نیکوں کو ان کا اجر اور فاسقوں کو سزا ملے گی۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:209-210)

ابن زیاد نے جب حضرت علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ جب بتایا گیا تو کہنے لگا کہ ایسے کیوں چھوڑ دیا، اسے بھی قتل کر دو۔ سیدہ زینب علیہا السلام حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں ''ابن زیاد خدا کا خوف کر، جتنا ظلم ہم پر کر چکا ہے اس سے تمہارا دل نہیں بھرا؟ اگر اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی ساتھ قتل کر دے۔''

وہ ظالم بہت دیر تک حضرت زینب علیہا السلام کو دیکھتا رہا اور کہنے لگا کہ خون کے اس جوش پر مجھے تعجب ہے کہ یہ بھتیجے کے ساتھ قتل ہونے کو تیار ہے، اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:210)

اس طرح کے واقعات کے بعد حسین علیہ السلام کا سر مبارک کوفہ میں نصب کر دیا گیا پھر شہر میں پھرایا گیا پھر باقی شہدائے کربلا کے سروں کے ساتھ، قیدی اہل بیت اطہارؑ سمیت یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ سیدنا علی علیہ السلام ابن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کی گردن میں طوق ڈال کر لے جایا جائے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:210)

یہ قافلہ اس شان سے روانہ ہوا کہ اس میں لاچار و بے بس عورتیں اور بچے تھے اور آگے آگے حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہداء کرام علیہم السلام کے سر بلند ہو کر جا رہے تھے۔ یہ عورتیں اور بچے اس وقت روئے زمین پر سب سے افضل اور پاکباز گھرانے کے افراد

تھے۔لیکن ان کو جس طرح شہر بہ شہر اور گلیوں اور بازاروں میں بے پردہ کر کے پھرایا اور رسوا کیا گیا وہ ثابت کرتا ہے کہ بدر کا بدلہ لیا جارہا تھا۔اگر یزید اور اس کے اہل کاروں میں انسانی شرافت کا ذرہ بھی ہوتا تو سوچتا کہ فتح مکہ والے دن اس کے بڑوں کو اس قافلہ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معافی دے دی تھی اور بدلہ نہیں لیا تھا، لہٰذا میں بھی بعد از فتح کم از کم وہ سلوک تو کروں۔ مگر یزید کے نصیب میں ابلیس کی طرح تا قیامت لعنت آ گئی۔ جو سارا سال بلا ناغہ اسے عوام کی طرف سے پہنچتی رہتی ہے۔

اس اقدام سے یزیدیوں کا مقصد یہ تھا کہ عوام پر دہشت بیٹھ جائے اور یہ باور کر لیں کہ اگر ہم روئے زمین کے سب سے اعلیٰ خاندان سے یہ سلوک کر سکتے ہیں تو دوسرے لوگ کس باغ کی مولی ہیں۔ اگر کسی نے حکومت کے خلاف کوئی کوشش کی تو اس کا انجام یہی ہوگا۔اور بعد کے دو سالوں میں یزید نے یہ ثابت کیا کہ اس کے راستے میں جو بھی آئے گا وہ اس کے خلاف کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہے چاہے اسے مدینہ پر حملہ کر کے دس ہزار لوگ حرم مدنی میں قتل کرنا پڑیں یا خانہ کعبہ پر ہی حملہ کیوں نہ کرنا پڑے۔

یزید پلید کے دربار میں

زمانے کی نیرنگی دیکھئے کہ دنیا کے افضل ترین لوگ، اس وقت کے بدترین شخص کے سامنے پیش کئے گئے۔

یزید نے سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا: ''تمہارے باپ نے میرے حق کو نہ جانا اور مجھ سے حکومت چھیننا چاہی۔ دیکھو اللہ نے اس کے ساتھ کیا کیا؟''

سیدنا امام علی ابن الحسین علیہ السلام نے جواب میں سورہ الحدید: 22/57 کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوئی ہو اور ہم نے اور یہ کام خدا کیلئے بہت آسان ہے۔

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

یزید نے جواباً سورۂ الشوریٰ: 30/42 پڑھی

''اور جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اور وہ (اللہ) بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔''

اور اس کے ساتھ سورۂ آل عمران: 26/3 پڑھی

''کہو اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ بنت الحسین بیان فرماتی ہیں کہ یزید کے دربار میں پیشی کے وقت ایک بد بخت شامی نے یزید سے کہا یہ لڑکی (یعنی فاطمہ) مجھے دے دیں۔ میں اس زمانہ میں کم سن اور خوبصورت تھی۔ میں ڈر گئی اور اپنی پھوپھی زینب کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ حضرت زینب علیہا السلام نے اس شامی سے کہا، نہ تمہاری یہ مجال ہے اور نہ یزید کی۔ یزید بولا واللہ تم نے غلط کہا۔ مجھے یہ اختیار ہے، میں اگر چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔ حضرت زینب علیہا السلام نے کہا، واللہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے یہ اختیار تجھے نہیں دیا۔ ہاں اگر دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کر لے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ یزید نے غضبناک ہو کر کہا دین سے تیرا باپ اور بھائی نکل گئے تھے۔ زینب علیہا السلام نے جواب دیا، میرے باپؑ، بھائی اور نانا کے دین سے تو تیرے باپ دادا نے ہدایت پائی۔ یزید نے کہا دشمن خدا تو جھوٹ بول ہی ہے۔ زینب علیہا السلام نے کہا تو حاکم ہے اس لیے دباتا ہے۔ یہ سن کر یزید خاموش ہو گیا۔ شامی بد بخت نے پھر وہی مطالبہ دہرایا تو یزید نے کہا۔ خاموش رہ، خدا تجھے موت دے کر تیرا فیصلہ کرے۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8، ص:211)

بعد میں سیدنا حسین علیہ السلام کے قتل سے یزید اپنا دامن بچانا چاہتا تھا اور ابن زیاد اپنا دامن بچانا چاہتا تھا۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا، جو خط میں نے تمہیں قتل حسین علیہ السلام کا حکم دینے کیلئے لکھا تھا، وہ مجھے واپس کر دو۔ ابن سعد نے کہا وہ گم ہو گیا ہے۔ ابن زیاد بضد ہوا تو ابن سعد نے کہا کہ اس کا علم تو بوڑھی عورتوں تک کو ہو چکا ہے۔ میں نے تجھے حسین کے بارے میں ایسا خیر خواہی کا مشورہ دیا تھا کہ اپنے باپ سعد رضی اللہ عنہ کو بھی دیتا تو ان کا حق ادا کر دیتا۔ ابن زیاد کے بھائی عثمان بن زیاد نے کہا میں تو کہتا ہوں کہ حسین علیہ السلام قتل نہ ہوتے چاہے بنی زیاد کی ناک میں نکیل چڑھادی جاتی۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:226)

تاریخ میں کچھ ایسی روایات ملتی ہیں کہ یزید نے قتل حسینؑ پر افسوس کا اظہار کیا تھا اور ابن زیاد کے بارے میں کہا ابن مرجانہ پر لعنت ہو، اگر حسین علیہ السلام میرے پاس آتے تو جو کہتے میں مان لیتا۔ ایسی روایات ناصبیوں نے گھڑی ہیں۔ یزید اس قتل میں پوری طرح ملوث تھا۔ اور یہ معاملہ ایک دن میں اس نوبت تک نہیں پہنچا تھا کہ سب کچھ اچانک ہو گیا ہو۔ یزید نے تو تخت نشین ہوتے ہی گورنر مدینہ کو پہلا خط ان سے بیعت لینے کیلئے لکھا تھا کہ ہر حال میں بیعت لو۔ امام مدینہ سے مکہ اور پھر کوفہ روانہ ہوئے۔ تقریباً چھ ماہ یہ معاملات چلتے رہے۔ کیا یزید اتنا ہی بے خبر تھا کہ اسے خبر نہ ہوئی جبکہ باقی خبریں پل پل کی اسے ملتی تھیں۔ اگر بے خبر تھا تو یہ بھی اسی کی نااہلی ہے۔ بالفرض اگر وہ بے خبر تھا، اس قتل سے راضی نہ تھا تو پھر اس نے خبیث ابن زیاد کو کیا سزا دی؟ معزول تک نہ کیا۔ بلکہ مدینہ اور مکہ پر حملے کیلئے اس کہا تو ابن زیاد لعین نے جواباً کہا میں اس فاسق (یزید) کیلئے دو گناہ اپنے سر نہیں لے سکتا کہ نواسہ رسول علیہ السلام کو قتل کروں اور خانہ کعبہ پر حملہ کروں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:237)

محمد بن حنفیہ کا یزید کے پاس رہنا اور اس کی صفائی دینا، یہ قصہ بالکل بے بنیاد ہے اور اس کی روایت منقطع ہے۔ (انساب الاشراف للبلاذری ج:3، ص:143)

قتل حسین علیہ السلام کے بعد یزید نے مدینہ اجاڑا، مکہ اور کعبہ شریف پر حملہ کرایا، اور اسی حملہ کے دوران دنیا کو اپنے وجود سے پاک کر گیا۔ پھر یہ خاندان ٹک کر حکومت نہ کر سکا۔ جگہ

جگہ بغاوتیں ہوئیں اور واقعہ کربلا میں شریک ہر شخص برے انجام سے دوچار ہوا۔ یزید کی موت کے ساتھ ہی خاندان معاویہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ خسر الدنیا ولآخرہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحریک اور مشن کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "مقابلہ کیلئے ضروری نہیں کہ تمہارے پاس وہ تمام شوکت و مادّی اسباب موجود ہوں جو ظالموں کے پاس ہیں۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے پاس چند ضعیف بوڑھوں اور بچوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کی فکر سے بے پرواہ ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ قوت قادرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو ضعف کے باوجود کامیاب کرتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ چند انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر و جابر کا کیا مقابلہ جس کی سرحدیں ملتان اور فرانس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا، پھر ایک دن ہر ایک وجود مقدس کو مقتول ہوتے ہوئے دیکھا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کا پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کیلئے غذا حاصل کر سکا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ وہ سر سے پاؤں تک زخموں سے چور ہوا، اس خلعتِ شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا تا کہ اس کرشمہ ساز حظیرۃ القدس کے وصال میں پہنچے جو دوستوں کو خاک وخون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ تاہم فتح اس کی تھی، فیروزمندی کا تاج اس کے زخم خوردہ سر پر رکھا جاسکتا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک وخون میں لوٹا اور اس کے خون کے ایک ایک قطرہ نے عالم اضطراب میں جو اس کے زیر سنگ بہا، انقلاب تغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے جس کو نہ مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی، نہ حجاج بن یوسف کی بے اماں خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست، وہ بڑھتے اور بڑھتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا پانی تیل بن کران کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا۔ اور حکومت وتسلط کا غرور ہوا بن کران کی ایک ایک چنگاری کو آتش کدہ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آگیا۔ اور جو کچھ 61ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب 132ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام

عالم اسلامی کے اندر ہوا۔ صاحبان تخت و تاج خاک و خون میں تڑپے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت وحقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور قرآن پاک کا یہ فرمان سچ ہوا

''اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون سی جگہ لوٹائے جاتے ہیں۔''

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را

چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے موت کا فیصلہ اچانک نہیں آیا تھا۔ انہوں نے مکمل ہوشمندی کے ساتھ اس راستہ کا انتخاب کیا۔ حر نے جب آپ علیہ السلام کو پیچھے آنے والی فوج سے ڈرایا تو امام علیہ السلام نے قبیلہ اوس کے اس صحابی رضی اللہ عنہ کے شعر سنائے جسے اس کے بھائی نے موت سے ڈرایا تو اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ مرنا قطعاً ہتک اور طعنے کی بات نہیں اگر وہ حق پر مرے۔'' (البدایہ والنہایہ ج:8،ص:188-189)

ابن زیاد لعین کا انجام

واقعہ کربلا کے پانچ سال بعد جبکہ اس خونی درندے کی عمر 28 سال تھی، ابراہیم بن مالک الاشتر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ابن زیاد جہنم رسید ہوا۔ عمارہ بن عمیر سے روایت ہے کہ جب عبید اللہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مسجد میں لا کر رکھ دئے گئے، جو رُحبہ میں ہے، (اور وہ نام ہے ایک مقام کا) سو میں وہاں گیا۔ لوگ کہنے لگے آیا آیا۔ اور وہ ایک سانپ تھا کہ لوگوں میں سے ہو کر آیا اور عبید اللہ کے ناک میں تھوڑی دیر گھسا رہا پھر نکلا اور چلا گیا اور غائب ہو گیا پھر لوگوں نے کہا آیا آیا اور پھر گھسا اسی طرح تین بار گیا یا دوبار۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے صحیح ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں کہ خدا نے اس ظالم اور فاسق کو سزا دی۔ یہ واقعہ ذوالحجہ کے 8 دن باقی تھے جب پیش آیا۔ وہ ہفتہ کا دن تھا اور 66ھ کا سال تھا۔ ابراہیم الاشتر اس کا سر کاٹ کر مختار ثقفی کے سامنے لایا تھا۔ (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج:4،ص:341-342)

یزید کے شامی فوجیوں کی لاف زنی

ابن زیاد لعین نے زحر بن قیس کی معیت میں تمام شہدائے کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔ دربار یزید پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

''امیر المومنین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فتح ونصرت کی بشارت ہو۔ حسین ابن علی علیہ السلام ابن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں سے ساٹھ اشخاص ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے۔ اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کردیں یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا، ان لوگوں کو جالیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا۔ آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح گرفت شروع کی تو یہ ادھر ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کیلئے کوئی جگہ نہ تھی نہ جائے پناہ اور جس طرح باز سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ سو خدا کی قسم! بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے، یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے، اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد کا کام تمام کردیا۔ سو اب ان کی لاشیں ننگی پڑی ہیں اور ان کے کپڑے لیے جاچکے ہیں۔ ان کے رخسار خاک میں لتھڑے ہوئے ہیں، دھوپ ان کو جلا رہی ہے، اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے، عقاب اور گدھ ان لاشوں پر منڈلا رہے ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:191)

خیال رہے کہ یہ لاف زنی وہ شخص کر رہا ہے جو اتنا بہادر تھا کہ جو لوگ پانچ ہزار فوج صرف 72 اشخاص کے مقابلہ میں لے کر گئے تھے، ان کے ساتھ یہ بھی شامل باجہ تھا۔ جبکہ ان 72 اشخاص میں بہت سی عورتیں، بوڑھے اور بچے شامل تھے اور ان ''باغیوں میں ایک 6 ماہ کی عمر کا ''باغی'' بھی تھا۔ دوسری بات یہ کہ خاندان رسالت علیہ السلام کو قتل کرنے کا حال جس خوشی اور جوش و جذبہ سے بیان کیا جا رہا ہے اور سننے والا سن رہا ہے اس سے صاف

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں اس مقدس ترین خاندان کے خلاف انتہائی بغض تھا اور واقعی بدر کا بدلہ لیا گیا۔ تیسری بات یہ کہ لکھنے والے یعنی امام ابن کثیر شامی ہیں۔ وہ بنوامیہ کی آخری حد تک براءت کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہوں نے بھی وہی لکھا جو لکھنے پر صداقت کے ہاتھوں مجبور تھے۔

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ علیہا السلام میں امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب یزید بن معاویہ کے پاس سے واپس مدینہ آئے تو ان سے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا کہ کوئی کام ہو تو بتائیں۔ میں نے کہا کوئی کام نہیں۔ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار مجھے دے دیں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ آپ سے زبردستی نہ چھین لیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ وہ تلوار مجھے دے دیں تو جب تک میری جان میں جان ہے، کوئی اس کو نہ لے سکے گا۔ یہ حالات تھے جن میں لٹنے اور اجڑنے کے بعد بھی اہل بیت کو امن نہیں تھا۔

بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس کی بیعت کر لی اور اس کیلئے دعائے خیر کی تو یہ بالکل بے بنیاد اور گھڑی ہوئی بات ہے۔ اس کے راویوں میں سے ایک ابی بکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ہے جو وضع حدیث میں متّہم ہے۔ یزید کی منقبت ایسے ہی ناکارہ لوگوں کی روایت سے ثابت ہو سکتی ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:5، ص:215)

بلکہ اس کے الٹ یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ جسے سلف مجرم یا مسرف بن عقبہ کے برے نام سے یاد کرتے ہیں، نے حضرت امام زین العابدینؑ سے بدتمیزی کی اگرچہ امام علیہ السلام واقعہ حرہ میں بالکل الگ رہے۔ اس کی تفصیل امام ابن کثیر یوں بیان کرتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ نے حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کو طلب کیا۔ وہ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کے درمیان پیدل چل کر اس کے پاس پہنچے تاکہ ان کے ذریعے امان لے سکیں۔ ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ یزید نے ان کے بارے میں مسلم کو کہہ دیا ہے۔ چنانچہ جب آپ اس کے

سامنے آکر بیٹھ گئے تو مروان نے کچھ پینے کیلئے مانگا۔ مسلم بن عقبہ جب شام سے مدینہ آیا تھا تو اپنے ساتھ وہاں سے برف لے کر آیا تھا اور وہ برف اس کے مشروب میں ڈال دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب پینے کیلئے لایا گیا تو مروان نے اس میں سے تھوڑا سا پی کر باقی علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کو دے دیا تا کہ اس کے ذریعہ سے ان کے لئے امان حاصل کر لی جائے۔ مروان علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کا دوست بنا ہوا تھا۔ مسلم بن عقبہ کی جیسے ہی نظر اس پر پڑی کہ برتن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اٹھالیا تو کہنے لگا ہمارا پانی نہ پینا اور پھر کہا تو ان دونوں کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ ان کے ذریعے امان حاصل کر سکے۔ یہ سن کر آپ کا ہاتھ کانپنے لگا اور نہ ہی برتن رکھا جا سکتا تھا نہ ہی اسے پی سکتے تھے۔ تب اس شقی نے کہا اگر امیر المومنین نے تمہارا خیال رکھنے کی تاکید نہ کی ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:220)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام جب کنکریاں مارنے جمرات کی طرف جاتے تو پیدل جاتے۔ منیٰ میں آپ علیہ السلام کا ایک مکان تھا۔ اہل شام آپ کو ستایا کرتے تھے۔ اس لیے آپ اپنے مکان سے قرن الثعالب یا اس کے قریب آ گئے۔ اب آپ سواری پر آنے لگے۔ (طبقات ابن سعد ج:5،ص:219)

منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے، صبح کس حال میں ہوئی؟ فرمایا میں نہ سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی۔ اور جب آپ نہیں جانتے تو پھر میں بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے صبح کس حال میں کی۔ اور جب آپ نہیں جانتے تو پھر میں بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں صبح کی جس طرح بنی اسرائیل نے کی تھی کہ وہ فرعونی ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے۔ اور ہمارے بزرگ اور سردار (سیدنا علی علیہ السلام) کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ برسرِ منبر ان کو گالیاں دے کر ہمارے دشمن کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔

آ گے فرماتے ہیں کہ قریش (مراد بنی امیہ) نے اس حال میں صبح کی کہ خود تو ہمارا حق لے چکے مگر اپنے اوپر ہمارا کوئی حق نہیں سمجھتے اب سنو! اگر تمہیں علم نہیں کہ ہمیں صبح کس حال میں آئی ہے تو اس حال میں آئی ہے۔ (طبقات ابن سعد ج:5،ص:219 تا 220)

اہل بیت پر ظلم کے بعد بنو معاویہ کی جو بربادی ہوئی اور حکومت چھن گئی تو اس حال سے عبرت حاصل کر کے عبدالملک مروانی نے تخت حاصل کرنے کے بعد حجاج بن یوسف کو تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم کو تنگ نہ کیا جائے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بلاشبہ حجاج نے جو کہ بڑا اہلا کو اور سخت خوں ریز تھا اور اس نے خلق کثیر کو قتل کیا تاہم اشراف بنی ہاشم میں کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کو اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشراف کہلاتے تھے، کسی قسم کا تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنو حرب (ابوسفیان کی اولاد) نے جب بنو ہاشم کو تنگ کیا تو ان کی شامت آ گئی یعنی جب حسین علیہ السلام کو قتل کیا تو برباد ہو گئے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ج:4،ص:504)

محبانِ اہلِ بیتؑ کی خدمت میں

علامہ باقر مجلسی مراۃ العقول ج:8،ص:35 شرح الکافی باب خوف ورجاء میں لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر الصادق علیہ السلام کو کہا کہ بہت سے لوگ آپ کی محبت کے دعویدار ہیں مگر گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ امام نے فرمایا بالکل جھوٹے ہیں۔ وہ ہم سے محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ وہ ایسا گروہ ہیں جن کو ان کی آرزوئیں جھولے جھلا رہی ہیں۔ جس کو کسی شے کی امید ہوتی ہے اس کیلئے محنت کرتا ہے اور جو کسی شے سے ڈرتا ہے اس سے دور بھاگتا ہے۔

ایک طرف یہ حال ہے کہ ایسے لوگ بھی شیعان علی علیہ السلام کہلاتے ہیں جبکہ دوسری طرف یہ حال ہے کہ جو اہل بیت سے محبت کا اعلان کرتا ہے، اس کو شیعہ کہہ دیتے ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا۔ اس پر امام نے شعر کہا

اِنْ كَانَ ذَنْبِی حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَذَالِكَ ذَنْبٌ لَسْتُ عَنَہُ اَتُوبُ

''اگر میرا گناہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے تو یہ وہ گناہ ہے۔ جس سے میں تائب نہیں ہوں گا۔''

علامہ باقر مجلسی بحار الانوار ج:23،ص:231-230 (عیون اخبار رضا اردو، ج:2،ص:504) پر لکھتے ہیں:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے مامون نے ان کے بھائی کو پیش کیا۔ اس کا نام زید بن موسیٰ کاظم علیہ السلام تھا۔ اس زید نے مدینہ میں حکمرانی کا دعویٰ کیا، بغاوت کی، قتل کیئے اور عمارتوں کو آگ لگائی۔ اس لیے اس کا نام زید مُحرِق (جلانے والا) اور زید النار (آگ والا زید) پڑ گیا۔ مامون نے فوج بھیج کر اسے گرفتار کیا۔ اسے مامون کے پاس لے جایا گیا۔ مامون نے کہا اسے اس کے بھائی علی رضا علیہ السلام کے پاس لے جاؤ۔ جب اس کو پیش کیا گیا تو اس سے ابوالحسن علی رضا علیہ السلام نے فرمایا اے زید! تجھے کوفہ کے بیوقوف لوگوں کی اس بات نے دھوکہ دے دیا کہ فاطمہ علیہا السلام پاک تھیں اور اللہ نے ان کی نسل پر دوزخ کو حرام کر دیا۔ اس نسل سے مراد صرف حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام ہیں۔ (یعنی قیامت تک پیدا ہونیوالے سید نہیں)۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اسی طرح گناہ کرتے کرتے، شریعت کی خلاف ورزی کرتے کرتے جنت میں داخل ہو جائے گا اور تیرا یہ خیال صحیح نکلے یعنی تو جنت میں داخل ہو بھی جائے اور تیرا میرا باپ موسیٰ کاظم علیہ السلام اللہ کی فرماں برداری کرے، نیک کام کرے، ظلم سے بچے، اور وہ اتنی نیکیاں کر کے جنت میں داخل ہو، اور تو اتنے گناہ کر کے جنت میں داخل ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک تیری شان موسیٰ کاظم علیہ السلام سے زیادہ ہے (کیونکہ جنت اگر اسی طرح گناہ کر کے مل جاتی تو انہیں نیکیاں کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟) اللہ کی قسم اللہ کے پاس جو اجر و ثواب ہے، وہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں پا سکتا جب تک وہ اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کرے۔ جبکہ تیرا خیال یہ ہے کہ کہ یہ سارے انعام گناہ کرنے کے باوجود مل جائیں گے۔ تیرا خیال کتنا غلط ہے!

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان ج:7، ص:354 پر سورۂ احزاب:33/30-31 کی تفسیر میں محمد بن ابی عمیر عن ابراہیم بن عبدالحمید عن علی ابن عبداللہ ابن

الحسین علیہ السلام عن ابیہ علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام زین العابدین سے یہ روایت درج ہے کہ ایک آدمی نے کہا آپ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اہل بیعت ہیں جو بخشے بخشائے ہیں۔ سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا ایسی باتیں کر کے ہمیں گمراہ نہ کیا کرو۔ سن لو! ہم پر وہی قانون جاری ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں رضی اللہ عنہن کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ ہمیں اپنے رب سے امید ہے کہ ہم میں سے جو نیکی کرے گا تو اسے دوہرا ثواب ملے گا اور ہم میں سے گناہ کرنے والے کو دگنا عذاب ہوگا۔

پھر امام علیہ السلام نے سورۂ احزاب: 31-30/33 تلاوت فرمائیں۔

یٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

طبرسی نے دوسری روایت ابوحمزہ ثمالی عن زید ابن علی ابن الحسین (زید شہید علیہ السلام) سے درج کی ہے۔ سیدنا زید شہید علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم سے جو نیک ہوگا اس کیلئے دگنے اجر کے امیدوار ہیں اور سیدوں میں سے جو برا کام کرے گا اس کے بارے میں خوف ہے کہ اسے دگنا عذاب ہوگا جیسا کہ ازواج النبی رضی اللہ عنہن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو حب اہل بیتؑ کے پردہ میں بدمعاشی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے 10 محرم 61ھ کو دوران جنگ ظہر اوّل وقت پڑھی۔ اب اگر ان کی محبت کا دعویدار نماز کے نزدیک بھی نہ جائے تو اس کے دعویٰ میں کہاں تک سچائی ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا ایک شاگرد ابوبصیر اُن کی بیوی امّ حمیدہ کے پاس آیا۔ ام حمیدہ نے فرمایا بیٹا! کاش تم اس وقت امام کے پاس ہوتے جب وہ فوت ہوئے تھے۔ شاگرد نے پوچھا اماں! اس وقت انہوں نے کیا فرمایا تھا۔ اماں نے کہا،

انہوں نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ جس نے نماز کو معمولی کام سمجھا (یعنی جب وقت ملا پڑھ لیں گے) اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ (محمد کاظم طباطبائی، العروۃ الوثقیٰ، ص:179-180)

ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام علی رضا (ابوالحسن الاوّل) نے فرمایا کہ میرے والد نے وفات کے وقت فرمایا اے میرے بیٹے جس نے نماز کو معمولی کام سمجھا اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ (الکافی کتاب الصلوۃ باب من حافظ علیٰ صلاتہ او ضیعھا حدیث:15)

برطانوی ہندوستان میں ایک انگریز مستشرق جو آئی سی ایس اور بورڈ آف ریونیو کا صدر تھا، نے کہا ''تاریخ اسلام میں حسین علیہ السلام ایک ایسا منارہ حق ہے کہ اگر ہندوستان کے صرف مٹھی بھر شیعہ اپنے ہیرو کی اسپرٹ کو جذب کر کے اس کے راستے پر گامزن ہو جائیں تو ہماری برٹش حکومت کا ایوان پاش پاش ہو کر رہ جائے۔''

آساں نہیں ہے معرفتِ راز کربلا
دل حق شناس دیدۂ بیدار چاہیے
آتی ہے کربلا سے یہ آواز آج بھی
ہاں حق کا اعتراف سرِ دار چاہیے

بنوامیہ مدت تک 10 محرم کو عید کی طرح مناتے رہے۔ ذکر حسین علیہ السلام بند کر دیا گیا۔ اب بھی اخباروں میں دس محرم کے ایڈیشن میں مضامین لکھے جاتے ہیں کہ اس دن غسل کرو، سرمہ لگاؤ، خوشبو لگاؤ، بہت سے کھانے پکاؤ۔ ایک روایت بھی اس سلسلہ میں گھڑ لی کہ جو عاشورہ والے دن اپنے بال بچوں پر کھلا خرچ کرے، سال بھر اس کی روزی فراخ کر دی جاتی ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں کہ تمام طرق سے یہ روایت ضعیف ہے اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ من گھڑت (موضوع) روایت ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری کا شکوہ کیا کہ وہ کہتے ہیں تجربہ سے یہ بات صحیح معلوم ہوئی ہے کہ اس دن کھانے پکانے سے رزق بڑھتا ہے۔ اس پر البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایسے تجربات سے شریعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری طرف معز الدولہ دیلمی شیعہ حاکم مصر آلِ بویہ نے 352ھ میں لوگوں کو حکم دیا کہ عاشورہ والے دن بازار بند کرو، سر ننگے کر کے سروں میں خاک ڈالو۔ انہوں نے ماتم شروع کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:11، ص:181)

دونوں فریقوں نے دین سے ہٹ کر اپنی مرضی کی۔

ایران کے شیعہ حکمران عباس صفوی کے کہنے پر علامہ بہاؤ الدین عاملی، مشہور شیعہ عالم، نے جامع عباسی کے نام سے شریعت کے احکام بادشاہ کی رہنمائی کیلئے لکھ کر دیئے۔ اس میں علامہ نے لکھا کہ جو ماتم کرے وہ کفارہ یمین (قسم کا کفارہ) ادا کرے۔ (جامع عباسی ج:2، ص:52 کفارہ نمبر 8 اور 9)

اگر حسینؑ کی سیرت پہ ہو سکا نہ عمل
تو پھر یہ مجلس ماتم کا فائدہ کیا ہے

(سید وحید الدین ہاشمی)

یاد حسینؑ اب جو منانے کو رہ گئی
اک رسم تھی ہمارے نبھانے کو رہ گئی
اس کا سبق تو ہم سے فراموش ہو چکا
بس داستاں ہی اس کی سنانے کو رہ گئی
کرنا تھا جس گھڑی حق و باطل میں امتیاز
وہ کیفیت بھی رونے رلانے کو رہ گئی
کیا چیز کھو گئی تھی سر دشتِ کربلا
جس کی تلاش ایک زمانے کو رہ گئی

ریگ عراق منتظر ، کشتِ حجاز تشنہ لب
خونِ حسینؑ باز دہ کوفہ و شام خویش را

توّابون

توّابون سے مراد وہ گروہ ہے جس نے حضرت سلیمان بن صرد صحابی رضی اللہ عنہ کی زیرِ سر کردگی سیدنا امام حسین کو کوفہ بلایا تھا مگر ابن زیاد کے کرفیو کی وجہ سے امام عالی مقام کی مدد نہ کر سکے۔ واقعہ کربلا کے بعد انہوں نے اپنی اس مجبورانہ کوتاہی کا کفارہ جنگ توّابون کی شکل میں ادا کیا۔

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8، ص:275 پر حضرت سلیمان بن صرد صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ صحابیاً، جلیلاً، بنیلاً عابداً زاہداً تھے۔ جن پانچ سرداروں نے مل کر امام عالی مقام کو بلایا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ، مسیّب بن نفیل نجبہ رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن سعد بن طفیل رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن وال رحمۃ اللہ علیہ اور رفاعہ بن شدّاد رحمۃ اللہ علیہ، یہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کی وفات کے بعد حضرت حسین علیہ السلام کو خط لکھا تھا کہ امیر معاویہ نے وعدہ خلافی کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کر دیا ہے جبکہ صلح حسن میں یہ شرط تھی کہ امیر معاویہ کے بعد کوئی آدمی ولی عہد نامزد نہ ہوگا۔ چونکہ وعدہ خلافی کے بعد، حضرت حسن علیہ السلام کی صلح کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے، لہٰذا آپ خروج کریں۔

سلیمان بن صرد خزاعی، مسلم اور دوسری کتب حدیث کے راوی ہیں۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ شیعان علی کا اجتماع ان کے گھر میں ہوتا تھا۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو عراق بلانے کیلئے خط لکھا تھا، جو پیچھے گزر چکا۔ جب امام کربلا آئے تو یہ لوگ بے بس ہونے کی وجہ سے مدد نہ کر سکے۔

واقعہ کربلا کے بعد انہوں نے اجتماع کیا اور کہا کہ امام حسین علیہ السلام کے کربلا آنے کا

سبب ہم لوگ بنے جس کے نتیجہ میں حضرت حسین علیہ السلام اور اہل بیت قتل ہو گئے۔ اس پر وہ نادم ہوئے۔ وہ دوبارہ اکٹھے ہوئے اور لشکر تیار کیا جس کا نام توّابوان (توبہ کرنے والے) رکھا۔ حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت 93 سال تھی، کو امیر لشکر مقرر کیا۔ واقعہ کربلا کے چار سال بعد 65ھ میں عین الوردہ کے مقام پر سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔

ان کا اور مسیب بن نجبہ رحمۃ اللہ علیہ کا سر کاٹ کر مروان بن حکم کے پاس بھیج دیا گیا۔ امام ابن کثیر البدایہ ج:8، ص:273 پر لکھتے ہیں کہ جب توّابون نے اپنی تیاری کر لی تو مسیّب بن نجبہ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا ہم امتحان میں ڈال دئے گئے۔ اللہ نے ہمیں لمبی عمر دی اور فتنے بہت پھیل گئے۔ اللہ نے ہماری آزمائش کی اور ہم جھوٹے نکلے۔ ہم ابن رسول علیہ السلام کی مدد نہ کر سکے حالانکہ ان کو ہم نے خط لکھے تھے۔ وہ اسی لیے یہاں آئے تھے کہ ہم لوگ ان کی مدد کریں گے۔ ہم نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ ان کو کربلا میں ایسے قصائیوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے امام اور ان کے خاندان کو قتل کر دیا۔ نہ ہم اپنے ہاتھوں سے ان کی مدد کر سکے نہ اپنی زبان سے کوئی بیان دے سکے اور نہ مالی مدد کر سکے۔ اب ہمارے لیے صرف تباہی ہے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عذاب ہم سے کبھی ختم نہ ہوگا۔ اب ایک ہی حل ہے کہ یا تو ان کے قاتل کو قتل کریں یا ہم مارے جائیں۔ نتیجۃً ہمارے گھر اجڑ جائیں گے اور مال لوٹ لئے جائیں گے اور شہر ویران ہو جائے گا۔ اب سارے کے سارے ایک آدمی (تن واحد) کی طرح اٹھو۔ پھر انہوں نے سورۃ البقرہ:54/2 پڑھی:

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَبَارِئِکُمْ ط فَتَابَ عَلَیْکُمْ ط اِنَّہٗ ھُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ O

جس میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے رب کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو،

تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔انہوں نے اس کے علاوہ بھی تقریر کی۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے مدائن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سعد بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی مدد کیلئے خط لکھا۔سعد نے بھی ان سے اتفاق کیا اور اپنے ساتھیوں کو تیار کرلیا۔اسی دوران بات باہر نکل گئی۔حکومت کو پتہ چل گیا اور ان لوگوں کو قبل از وقت جنگ لڑنا پڑی۔لشکر نکل پڑا شہر سے باہر نکل کر حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے کہا اگر کوئی ہمارے ساتھ دنیا کے لالچ کیلئے آیا ہے تو میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر چلا جائے اور جو ہمارے ساتھ اس لیے نکلا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے اور آخرت کا ثواب ملے وہ ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔جو دنیا کیلئے نکلا ہے نہ وہ ہمارا ہے نہ ہم اس کے ہیں۔اس پر بہت سے لوگوں نے کہا ہم دنیا کیلئے نہیں بلکہ آخرت کیلئے نکلے ہیں۔

ربیع الاوّل کی پانچ تاریخ کو بروز جمعہ 65ھ یہ لشکر حملہ کرنے کیلئے چل پڑا۔عین الوردہ کے مقام پر شامی فوجوں سے ٹکر ہوئی۔توابون چار ہزار تھے جبکہ 30ہزار سے زیادہ شامی لشکر میں تھے۔اس وقت حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے کہا جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ خدا سے توبہ کرلے،معافی مانگ لے اور جو جنت میں جانا چاہتا ہے،وہ میری طرف آجائے۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کو جب تیر لگے تو انہوں نے کہا کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پھر مسیب بن نجبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ساتھیوں سے جاملے یعنی شہید ہوگئے۔اللہ ان پر رحمت فرمائے۔

توّابون میں سے بہت سے لوگ شہید ہوگئے اور بہت کم بچے جن کو رات کے اندھیرے میں رفاعہ بن شداد بچا کر لے گئے۔

توّابون کا حال امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر،ج:8،ص:266 تا276 پر لکھا ہے۔

مختار ثقفی کی طرف سے شہداء کربلا کا انتقام

مختار ثقفی کا قصہ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8،ص:284 تا296 پر لکھا ہے۔مختار صحابی رسول حضرت ابو عبید ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا۔تحریک توّابون کے بعد وہ خون حسین علیہ السلام کا بدلہ لینے کیلئے اٹھا۔اس نے امام حسین علیہ السلام کے بھائی محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا میں امام حسین علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔آپ اہل کوفہ کے نام خط لکھ دیں کہ مختار ہمارا آدمی ہے،اس کی مدد کریں۔انہوں نے خط لکھ دیا۔مختار یہ خط لکھ کر کوفہ آیا،حضرت علی علیہ السلام کے ساتھیوں سے ملا مگر اس کو زیادہ پذیرائی نہ ملی کیونکہ وہ لوگ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔مختار انہی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ چونکہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا سالا تھا،اس لیے ان کی سفارش پر رہا ہو گیا۔توّابون کی تحریک کے خاتمہ کے بعد مختار کو بڑی کامیابی ملی۔لوگ اس کے پاس آنا شروع ہوئے۔آہستہ آہستہ یہ تحریک زور پکڑنے لگی۔پھر ابراہیم بن مالک الاشتر رحمۃ اللہ علیہ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔وہ بہت بہادر اور قابل جرنیل تھے۔مختار نے کوفہ پر قبضہ کر لیا اس نے پہلے اپنی حکومت کو مضبوط کیا اور بعد میں اس نے چن چن کر قاتلین حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

یزید کی وفات کے بعد مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔بعد میں کوفہ،بصرہ اور خراسان پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔کوفہ پر مختصر عرصہ

کیلئے مختار کا قبضہ ہوا مگر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عبدالملک بن مروان نے 72ھ میں حجاج بن یوسف کی قیادت میں شامی افواج عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجیں۔ اس فوج نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ محاصرے کے دوران منجنیقوں سے مکہ پر پتھر برسائے گئے۔ محاصرہ سے تنگ آ کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی بڑی تعداد ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹے حمزہ اور خبیب بھی حجاج کی امان میں چلے گئے۔ لوگوں کی بے وفائی دیکھ کر آپ اپنی والدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور تمام حالات گوش گزار کئے۔ پھر کہا کہ میرے دشمن مجھے امان دینے پر آمادہ ہیں بتایئے کیا کروں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا بیٹے اپنے حالات سے تم خود کو زیادہ واقف ہو۔ اگر حق پر تھے تو قائم رہو۔ اپنی گردن دوسروں کے قبضہ میں مت دو کہ بنی امیہ کے نوعمر لڑکے اس سے کھیلتے پھریں۔ اگر تمہاری جدوجہد دنیا کیلئے تھی تو تم بدترین خلائق ہو کہ خود کو بھی مصیبت میں ڈالا اور بندگان خدا کی جانیں بھی ناحق ضائع کیں۔ اگر تم خود کو حق پر جانتے ہو مگر لوگوں کی طرف سے ساتھ چھوڑنے پر کمزوری محسوس کرنے لگے ہو تو یہ شریف آدمی کا طریقہ نہیں ہے۔ دنیا میں تم ہمیشہ نہیں رہ سکتے۔

ماں کی باتیں سن کر آپ اپنی والدہ کے قریب ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا خدا کی قسم میں نے نہ تو دنیا کی طرف توجہ کی نہ میں یہاں مزید رہنا چاہتا ہوں۔ حکومت کیلئے کوشش ذاتی غرض کیلئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے تھی۔ پھر اور باتوں کے بعد ماں سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے ان کے لیے دعا کی:

> ''اے اللہ تو اس کے لمبی راتوں میں طویل قیام اور مکہ و مدینہ کی گرم دوپہر میں عبادت، آہ وزاری اور روزے میں شدت پیاس برداشت کرنے اور اپنے باپ اور مجھ سے حسن سلوک کی وجہ سے رحم فرما۔ اے اللہ میں نے معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ تو اس بارے میں جو بھی فیصلہ کرے، میں اس پر خوش ہوں۔ میرے بیٹے عبداللہ کی وجہ سے تو مجھے صبر اور شکر کرنے والوں

میں شامل کر۔"

اس کے بعد ماں بیٹا ملے، اور ماں کے کہنے پر آپ نے زرہ اتار دی۔ آخری رات ابن زبیر رضی اللہ عنہ ساری رات عبادت میں مشغول رہے۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد تیار ہو کر لڑائی کیلئے نکلے۔ اس معرکے میں شریک حمص کا سردار بیان کرتا ہے کہ 500 آدمیوں پر مشتمل دستے کو وہ اکیلے پسپا کر دیتے تھے۔ ان کے پاس جانے کی کسی کی جرأت نہ تھی۔

حرم کعبہ کے تمام دروازوں پر شامیوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن آپ اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔ آخر ایک اینٹ آپ کے چہرے پر لگی آپ لہولہان ہو گئے دشمن نے گھیرا تنگ کیا اور بالآخر قتل کر دیا۔

حجاج نے آپ کا سر اتار کر پہلے مدینہ پھر عبدالملک کے پاس دمشق بھجوا دیا۔ ان کی لاش کو شہر سے باہر لٹکا دیا گیا کئی ماہ تک ایسے ہی لاش لٹکی رہی۔ ایک دن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا لونڈی کے ساتھ وہاں گئیں اور جب معلوم ہوا کہ لاش ابھی تک لٹک رہی ہے تو فرمایا "کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ سوار اپنی سواری سے اتر جائے۔ جب حجاج لعین کو اطلاع ہوئی تو اس نے لاش اتروا کر دفن کر دی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ البدایہ ولنہایہ، ج:8، ص:354 تا 356 پر لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

آپ بہت نیک اور عابد و زاہد صحابی تھے۔ راتوں کو لمبا قیام کرتے اور دن کو روزے سے رہتے۔ کئی کئی دن کا روزہ سحری و افطاری کے بغیر رکھتے تھے۔ اس کو صوم وصال کہتے ہیں۔ اس ریاضت نے انہیں بہت طاقتور بنا دیا تھا۔ ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ کو بیٹا بنا رکھا تھا اور ان کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی۔ مدینہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کے بارے میں یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ہمارے جادو کی وجہ سے مسلمانوں کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔

ہجرت کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوا وہ یہی عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ان کے پیدا ہونے کی خبر سن کر صحابہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا تھا۔اور ایک نعرہ تکبیر حجاج لعین کی فوج نے ان کی شہادت پر بلند کیا تھا۔آپ 7/8 سال کے تھے جب حضور ﷺ سے بیعت کی تھی۔

بخاری کتاب العقیقه باب تسمیه المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه و تحنیکه میں حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ان کو مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا پیٹ رہا۔وہ پورے دنوں مکہ سے نکلیں۔جب مدینہ آئیں تو قبا میں اتریں۔ وہاں عبداللہ پیدا ہوئے۔اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں عبداللہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کی گود میں بٹھا دیا۔ایک کھجور آپؐ نے منگوائی اور چبا کر اس کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا۔پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں گئی وہ یہی لعاب دہن مبارک تھا۔پھر چبائی ہوئی کھجور اس کے تالو میں لگائی اور برکت کی دعا دی۔ہجرت کے بعد عبداللہ پہلے بچے تھے جو اسلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔مسلمانوں کو ان کے پیدا ہونے کی بہت خوشی ہوئی کیونکہ لوگوں نے ان سے کہا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کر دیا ہے اور اب تمہارے اولاد پیدا نہیں ہوگی۔

یہی روایت بخاری میں **باب هجرة النبی و اصحابه الی المدنیة** اور **باب استحباب تحنیك المولود عند لولادة** میں بھی آئی ہے۔

بعد کے ادوار میں بنو مروان کے مظالم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قتل

بخاری کتاب العیدین باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید و الحرم میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں (حج میں) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب نیزے کی بھال ان کے تلوے میں لگی۔ ان کا پاؤں رکاب سے چمٹ گیا۔ میں سواری سے اترا اور نیزہ ان کے پاؤں سے نکالا۔ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا۔ پھر حجاج ان کی بیمار پرسی کو آیا اور کہنے لگا کہ کاش معلوم ہو کہ یہ حرکت کس کی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو ہی نے تو مجھ کو نیزہ مارا۔ حجاج بولا کیسے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے اس دن ہتھیار اٹھوائے جس دن ہتھیار نہیں اٹھائے جاتے تھے اور تو حرم میں ہتھیار لایا جبکہ حرم میں ہتھیار لانا منع ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حجاج ظالم ملعون دل میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتا تھا کیونکہ انہوں نے اسے کعبہ پر منجنیق لگانے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل پر ملامت کی تھی۔ دوسری بات یہ کہ عبدالملک بن مروان نے جو خلیفہ وقت تھا، حجاج کو لکھ بھیجا تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتا رہے، یہ امر اس مردود پر شاق گزرا اور اس نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ اس نے زہر آلود برچھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں گھسیڑ دیا۔ خود ہی تو یہ شرارت کی اور خود ہی مسکین بن کر حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آیا۔ واہ رے مکار! خدا کو کیا جواب دے گا؟ آخر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو اللہ کے بڑے مقبول بندے تھے اور بڑے عالم، زاہد اور صحابی رسولؐ تھے، اس کا مکر پہچان لیا اور فرمایا کہ تو نے ہی تو مارا ہے اور تو ہی کہتا ہے کہ ہم مجرم کو پالیں تو اس کو سخت سزا دیں۔''

جفا کردی و خود کشتی بہ تیغ ظلم عاشق را
بہانہ ہیں برائے پرسشِ بیمار می آئی

آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ اس دور میں جتنے بھی مسلمانوں کے سردار تھے، سب بنوامیہ نے قتل کر دیئے۔ حضرت حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس دور کے بے شمار مقتولین میں شامل ہیں۔

عبدالملک بن مروان کے کارنامے

اس کا سب سے بڑا کارنامہ تو حجاج بن یوسف جیسے ملعون کو پالنا ہے۔ جس کے بارے میں ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ پوری دنیا میں اس جیسا خبیث کم ہی ہوگا۔ کیونکہ جس مرتبے کے لوگوں کو یعنی صحابہ و تابعین کو اس نے قتل کیا ایسے مقتول کسی قاتل کو کم ہی نصیب ہوتے ہیں۔ اس حجاج کے ذریعہ عبدالملک نے کعبہ شریف پر سنگ باری کرائی اور مکہ کا چھ ماہ تک محاصرہ کرایا۔ آسان لفظوں میں کہہ لیں کہ عبدالملک سے بڑا سفاک آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس کے پالتو حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی چھری سے ذبح کرائے جبکہ جنگوں میں مارے جانے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے، جو لاتعداد ہے۔

عبدالملک کا زہد و تقویٰ

یہ جب 75ھ میں مدینہ گیا تو منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ

''میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا............ اب اگر کسی نے مجھ اتق اللہ (اللہ سے ڈر) کہا تو میں اس کی

گردن ماردوں گا۔"

(احکام القرآن للجصّاص ، ج:1 ،ص:82 ،الکامل ابن اثیر ج:4،ص:1-104-41 ، فوات الوفیات، محمد بن شاکر الکتبی ج:2،ص:33)

مسلمانوں کے حکمرانوں نے عوام پر اتنا ظلم کیا کہ پھر یہ "غیر اسلامی" فقرہ کہنے والا کم ہی پیدا ہوا کہ "خدا سے ڈر۔"

عبدالملک کا خانہ کعبہ پر حملہ

جب یزید نے مکہ پر حملہ کیا اور کعبہ شریف کو اس میں نقصان پہنچا تو عبدالملک نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ مگر جب وہ خود حکمران بنا تو اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کیلئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیج دیا۔ اس ملعون نے عین حج کے موسم میں مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی جبکہ موسم حج میں زمانہ جاہلیت کے کفار و مشرکین بھی جنگ سے ہاتھ روک لیتے تھے۔ کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سخت اصرار پر صرف اتنی دیر کیلئے یہ سنگ باری روکی گئی کہ باہر سے آنے والے حجاج کرام طواف و سعی کر لیں۔ لیکن نہ اس سال کے حج میں مکہ کے لوگ منیٰ اور عرفات جا سکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف و سعی کر سکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طواف زیارت کر لیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سرِ نو سنگ باری شروع کر دی۔ (الکامل ابن اثیر، ج:4،ص:23، البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8،ص:329، تاریخ ابن خلدون ج:3،ص:37-38)

نسائی کتاب الحج باب اِذا اَهلَّ بعمرة هَل يُجعَلُ مَعَها حجّاً میں حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حج کا ارادہ کیا جس سال حجاج ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کیلئے آیا۔ لوگوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جنگ ہونے والی ہے ایسا نہ ہو لوگ آپ کو روک دیں۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین

نمونہ ہیں۔ میں اس وقت وہی کروں گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صلح حدیبیہ کے وقت کہا تھا میں تم کو گواہ کرتا ہوں۔ کہ میں نے خود پر عمرہ واجب کرلیا۔ پھر آپ نکلے۔ جب بیداء مقام پر پہنچے تو کہا حج وعمرہ ایک ہی ہیں۔ تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے حج واجب کیا عمرہ کے ساتھ اور ہدی لے گئے جس کو مقام قدَید سے خریدا تھا۔ پھر حج وعمرہ دونوں کا لبیک پکارتے مکہ آئے اور طواف کیا کعبہ کا صفا مروہ کی سعی کی اور اس سے زیادہ نہ کیا نہ بال کتروائے نہ کسی چیز کا استعمال کیا جو احرام میں حلال نہیں۔ جب دس ذوالحجہ ہوا تو نحر کیا، سر منڈوایا اور پھر دوبارہ طواف نہ کیا۔ حج قران میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا تھا۔

کعبہ پر حملے کا یہ کارنامہ بنوامیہ نے دوبار سرانجام دیا۔ اس سے پہلے یزید بن معاویہ کی فوج کعبہ شریف پر حملہ کے لیے جا چکی تھی جیسا کہ مسلم کتاب الحج باب نقض الکعبه و بنائها میں روایت موجود ہے۔

فقیہ عبدالملک

حکمران بننے سے پہلے یہ علماء کے پاس بیٹھتا تھا لہٰذا بعض لوگ اس کو بڑا فقیہہ جانتے ہیں۔ اس کی حقیقت اس روایت سے ظاہر ہوتی ہے جو بخاری کتاب الدیات باب القسامة کی آخری روایت میں ہے کہ ابوقلابہ کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور میں قسامت کرا کر ایک شخص سے قصاص لیا، پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہوا اور جن پچاس آدمیوں نے قسم کھائی تھی ان کا نام وظائف کے رجسٹر سے خارج کردیئے اور ان کو شام کے ملک کی طرف جلاوطن کردیا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

رئیس الخبیثین حجاج بن یوسف

اس کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔نمایاں جرائم میں سے ایک کعبہ شریف پر حملہ ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ افراد کو چھری سے ذبح کرایا۔جنگوں میں قتل ہونے والے بے شمار لوگ اس کے علاوہ ہیں۔اس لیے احادیث میں اس کو ہلاکو، کذاب اور خونریز کہا گیا ہے۔حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اس کے منہ پر اس کو یہی کہا تھا۔

مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرھا میں ابونوفل سے روایت ہے جس میں

(1) حجاج کی طرف سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بعد از قتل سولی پر لٹکا دینے کا ذکر ہے۔

(2) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے حجاج کی بدتمیزی کا ذکر ہے کہ اس نے بلایا اور کہا نہ آئی تو تمہارے چونڈے (سر کے بال) سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے آئیں گے۔

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین (دو کمر بند والی) کا لقب دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر سامان سفر باندھا تھا۔حجاج ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام لیتے وقت اس لقب کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔اس مذاق اڑانے کا ذکر ہے۔یہ اسی طرح کا لقب ہے جیسے سیدنا علی علیہ السلام کو مٹی پر سوئے دیکھ کر ابوتراب فرمایا۔

(4) فرمان رسالت کا ذکر ہے کہ بنی ثقیف میں ایک بہت جھوٹا اور ہلاکو پیدا ہوگا۔اور وہ ہلاکو یہی حجاج ہے۔

اس گستاخ رسول اور گستاخِ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ محبان صحابہ کرام؟

پوری روایت درج ذیل ہے۔

''ابونوفل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی گھاٹی پر دیکھا۔ قریش کے لوگ ان کے پاس سے گزرتے تھے اور دوسرے لوگ بھی۔ (ان کو حجاج نے قتل کر کے سولی پر وہیں لٹکایا ہوا تھا) حتیٰ کہ ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ادھر آئے، وہاں کھڑے ہوئے اور (تین بار کہا) السلام علیک یا اباخبیب، قسم خدا کی میں تمہیں منع کرتا تھا (یہ بھی تین بار کہا) اس سے (یعنی حکومت سے) اللہ کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں تم روزہ رکھنے والے، رات کو عبادت کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم جس کے برے تم ہو وہ عمدہ گروہ ہے۔ یہ خبر جب حجاج کو ملی تو اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سولی سے اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دیا۔ پھر حجاج نے ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلایا، انہوں نے حجاج کے پاس آنے سے انکار کیا۔ حجاج نے پھر بلایا اور کہا تم آتی ہو تو ٹھیک ورنہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تمہارا چونڈا (سر کے بال) پکڑ کر لے آئے۔ انہوں نے پھر بھی آنے سے انکار کیا (وہ نابینا ہو چکی تھیں) اور فرمایا اللہ کی قسم میں تب تک نہ آؤں گی جب تک تو میرے پاس اسے نہ بھیجے جو مجھے چونڈے سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا تیرے پاس لے جائے۔ آخر حجاج نے کہا میرا جوتا لاؤ، وہ جوتا پہن کر اکڑتا ہوا چلا اور اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا تو نے دیکھا میں نے اللہ کے دشمن (ابن زبیر رضی اللہ عنہ) سے کیا کہا۔ اسماء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے دیکھا کہ تو نے اس کی دنیا خراب کر دی اور اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔ میں نے سنا ہے تو کہتا ہے اے دو کمر بند والی کے بیٹے، بے شک،

اللہ کی قسم میں دو کمر بند والی ہوں۔ ایک کمر بند میں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور ابی بکر رضی اللہ عنہ کا کھانا اٹھاتی تھی کہ جانور اس کو نہ نکالیں اور ایک کمر بند وہ تھا
جو عورت کو درکار ہوتا ہے۔ اور یاد رکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے بیان
فرمایا تھا کہ بنی ثقیف میں ایک کذاب پیدا ہوگا اور ایک ہلاکو پیدا ہوگا۔
کذاب تو ہم نے دیکھ لیا اور ہلاکو تیرے سوا میں کسی کو نہیں سمجھتی۔ یہ سن کر
حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور اسماء رضی اللہ عنہا کو کوئی جواب نہ دیا۔"

مروانیوں کے دور میں نماز کی جو حالت تھی اس کی صحیح عکاسی حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔ بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الصلوات الخمس کفارۃ میں زہری روایت کرتے ہیں کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالک کے پاس گیا۔ وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے جو چیزیں (عہد نبوی میں) دیکھیں، ان میں سے اب کوئی چیز نہیں پاتا مگر نماز، وہ نماز بھی برباد ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج ظالم کی جو عراق کا حاکم تھا، ولید بن عبدالملک بن مروان سے جو خلیفۂ وقت تھا شکایت کرنے گئے تھے۔ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گردن پر گرم لوہے سے ٹھپہ لگا کر ان کو اندھا کر دیا تھا۔ خادم رسول کو یہ انعام خدمت نبی علیہ السلام کا بنی امیہ نے دیا۔

اس باب میں اس حدیث سے پہلے غیلان بن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں عہد نبوی کی کوئی بات اب نہیں دیکھتا۔ لوگوں نے کہا نماز! فرمایا نماز میں بھی تم لوگوں نے جو کر رکھا ہے سو کر رکھا ہے۔

مسلم کتاب المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا وھو التغلیس و بیان قدر القرآۃ فیھا میں اور بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت المغرب میں محمد بن عمرو بن حسن بن

علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حجاج مدینہ کا حاکم بن کر آیا، نماز میں دیر کرنے لگا، تو ہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ صحابی سے نمازوں کے درست اوقات دریافت کئے۔

انہی مروانیوں کے دور میں حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک نے موت کی آرزو کرنا چاہی۔ **بخاری کتاب التمنی باب مایکرہ من التمنی** میں عاصم بن سلیمان سے روایت ہے کہ انہوں نے نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انس رضی اللہ عنہ بن مالک (خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ موت کی آرزو نہ کرو، تو میں موت کی آرزو کرتا۔ **بخاری کتاب الفتن باب لایاتی زمان الاالذی بعدہ شرّ منہ** اور **ترمذی ابواب الفتن باب ماجآء فی اشراط الساعة** میں روایت ہے کہ زبیر بن عدی نے دوران ملاقات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حجاج کے مظالم کی شکایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہر آنے والا سال بدتر ہوگا۔ یہاں تک کہ تم ملاقات کرو اپنے رب سے، یہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔

ترمذی ابو اب الفتن باب ماجآء فی ثقیف کذّاب و مبیرھا میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ثقیف کے قبیلہ میں ایک کذاب ہوگا اور دوسرا اہلا کو ہوگا۔

اس بارے میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی۔

بخاری کتاب الطب باب الدواءِ بالبان الابل میں سلام بن مسکین روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جو سخت سے سخت سزا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو دی وہ مجھ سے بیان کرو۔ انہوں نے عُکل یا عُرینہ کے مرتدوں کو دی گئی سزا کا اس سے ذکر دیا۔ حجاج نے اس حدیث کو لوگوں کو سزا دینے کا بہانہ بنالیا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر ملی کہ انس رضی اللہ عنہ نے حجاج کو یہ سزا بتادی ہے تو انہوں نے کہا کاش انس رضی اللہ عنہ یہ حدیث حجاج سے بیان نہ کرتے۔

بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنہ میں حضرت سلمہ بن اکوع (مشہور بہادر تیز دوڑنے والے تیر انداز) حجاج سے ملنے گئے تو حجاج نے (انتہائی بدتمیزی سے) کہا اے اکوع کے بیٹے تو اسلام سے ایڑیوں کے بل پھر گیا پھر سے جنگلی بن گیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے فرمایا میں اسلام سے نہیں پھرا۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو خاص طور پر جنگل میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور یزید بن عبید سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سلمہ بن اکوع مدینہ سے نکل کر ربذہ میں رہے اور وہاں ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ سلمہ بن اکوع عمر بھر وہیں رہے۔ مرنے سے چند راتیں پہلے مدینہ آ گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

مسلم کتاب الامارت باب تحریم رجوع المهاجر الی استیطان وطنہ میں ہے کہ سلمہ بن اکوع حجاج کے پاس گئے تو وہ بولا اے اکوع کے بیٹے تو مرتد ہو گیا۔ پھر جنگل میں رہنے لگا۔ سلمہ نے کہا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اجازت دی جنگل میں رہنے کی۔

اس کی شرح میں علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں کہ حجاج مردود ان کی جنگل میں رہائش کو بہانہ بنا کر ہجرت توڑنے کا الزام لگانا چاہتا تھا تا کہ ان کو قتل کر سکے کہ یہ مرتد ہو گئے ہیں۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے جو جانثاریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کی تھیں وہ حجاج کے باپ کو بھی نصیب نہیں ہوئیں۔ بقول شخصے موچی کو عطر کی کیا قدر!

مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدین من النار میں حدیث شفاعت کبریٰ (جو روز حشر ہو گی) معبد بن ہلال عنزی حضرت اُنس رضی اللہ عنہ بن مالک سے رؤایت کرتے ہیں۔ معبد روایت بیان

کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ پھر ہم انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے اور جبّان (قبرستان) کی بلندی پر پہنچے تو ہم نے کہا کاش ہم حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف چلیں اور ان کو سلام کریں، اور وہ (حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) ابوخلیفہ کے گھر میں (حجاج کے ڈر سے) چھپے ہوئے تھے۔ پھر وہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور حدیث شفاعت کبریٰ دوبارہ سنی۔

مسلم کتاب الایمان کی پہلی حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ معبد بن خالد جہنی جو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا اور اس نے سب سے پہلے تقدیر میں گفتگو کی بصرے میں پھر بصرے والے اس کی راہ پر چلنے لگے۔ اس کو حجاج نے باندھ کر قتل کیا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باندھ کر قتل کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ **بخاری کتاب الذبائح باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ و المجثمۃ** میں ہے۔

تحفۂ اثناء عشریہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ص:137 پر لکھتے ہیں کہ حجاج بدترین نواصب میں سے تھا۔ نواصب اپنی دولت اور سلطنت کا قیام اسی میں جانتے تھے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی جناب میں اپنا منہ کالا کرتے رہیں۔ اس صفحہ پر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ بن مالک کہ خادم خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور عمدہ صحابیوں سے جو تھے، ان کو ذلیل اور حقیر کرتا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور اس زمانے کے بزرگوں کو مار ڈالنے کے واسطے کونسی کوشش تھی جو اس نے اٹھا رکھی تھی؟

حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گدّی (گردن کا پچھلا حصہ) پر ٹھپہ لگا کر نابینا کر دیا۔ (مستدرک حاکم، ج:3، ص:583-584)

حجاج نے نومسلموں پر جزیہ لگا دیا

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف (عراق کے وائسرائے) کو

اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمی کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں اور اس سے جزیہ وخراج کی آمدن گھٹ رہی ہے۔ اس پر حجاج نے حکم جاری کیا کہ ان لوگوں کو شہروں سے نکالا جائے اور ان پر حسب سابق جزیہ لگایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ نومسلم بصرہ وکوفہ سے نکالے جارہے تھے تو وہ یا محمداہ، یا محمداہ، پکار کر روتے جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس ظلم کی فریاد کہاں کریں۔ اس صورت حال پر بصرہ وکوفہ کے فقہا چیخ اٹھے اور جب یہ نومسلم روتے پیٹتے شہروں سے نکلے تو علماء اور فقہاء بھی ان کے ساتھ روتے جاتے تھے۔ (الکامل ابن اثیر، ج:4، ص:79)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ ہوئے تو خراسان سے ایک وفد نے آکر شکایت کی ہزار ہا آدمی جو مسلمان ہوئے تھے، سب پر جزیہ لگا دیا گیا ہے اور گورنر کے تعصب کا یہ حال ہے کہ وہ علانیہ کہتا ہے "اپنی قوم کا ایک آدمی مجھے دوسرے سو آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے۔" اس شکایت پر آپ نے الجراح بن عبداللہ الحکمی کو معزول کر دیا اور اپنے فرمان میں لکھا کہ "اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ تحصیلدار۔"

(طبری ج:5، ص:314، الکامل ابن اثیر ج:4، ص:158، البدایہ والنہایہ، ج:9، ص:188)

حجاج کے بارے میں فیصلہ کن رائے

مشہور امام قراءت عاصم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی ایسی حرمت نہیں رہ گئی جس کا ارتکاب اس شخص نے نہ کیا ہو۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اگر دنیا کی تمام قومیں خبائث کا مقابلہ کریں اور اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جاسکتے ہیں۔"

حجاج عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جو سابقون الاولون میں سے ہیں، سردار

منافقین کہتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ اگر عبداللہ بن مسعودؓ مجھے مل جاتے تو ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا۔'' اس نے اعلان کیا تھا کہ ابن مسعودؓ کی قراءت پر جو قرآن مجید پڑھے گا تو اس کو قتل کر دوں گا۔ اور قرآن مجید میں سے اس کی قراءت کو اگر سوٴر کی ہڈی سے بھی چھیلنا پڑا تو چھیل دوں گا۔ اس نے حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ جیسے بزرگوں کو گالیاں دیں اور ان کی گردن پر مہریں لگوائیں۔ اس نے عبداللہ بن عمرؓ کو قتل کی دھمکی دی بعد میں قتل کرا بھی دیا۔ وہ علانیہ کہتا تھا کہ اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لیے ان کا خون حلال ہے۔ اس کے زمانہ میں جو لوگ قید کی حالت میں بغیر عدالتی فیصلہ کے قتل کئے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ وہ جب مرا تو اس کے قید خانوں میں 80 ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر سڑ رہے تھے۔

اور اس ظالم کے حق میں خبیث ابن شیطان عبدالملک بن مروان نے اپنی اولاد کو مرتے وقت وصیت کی تھی:

''حجاج بن یوسف کا ہمیشہ لحاظ کرتے رہنا کیونکہ وہی ہے جس نے ہمارے لیے سلطنت ہموار کی، دشمنوں کو مغلوب کیا اور ہمارے خلاف اٹھنے والوں کو دبا دیا۔''

ان تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو الاستیعاب ابن عبدالبر ج:1، ص:35، ج:2، ص:571 الکامل ابن اثیر، ج: 4، ص: 29 - 103 - 133، البدایہ والنہایہ، ج: 9، ص:2-67-83-91-128-129-131 تا138، ابن خلدون، ج:3، ص:39-58

یہ وصیت اس ذہنیت کی پوری نمائندگی کرتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ حکومت کر رہے تھے۔ ان کی نگاہ میں اصل اہمیت اقتدار کی تھی۔ اس کا قیام و استحکام جس ذریعہ سے بھی ہو، مستحسن تھا، قطع نظر اس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر توڑ دی جائیں۔

یہ ظلم وستم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ چیخ اٹھے کہ "عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان ابن حبان، مکہ میں خالد بن عبداللہ القسری، خداوندا تیری دنیا ظلم سے بھر گئی ہے۔ اب لوگوں کو راحت دے۔" (الکامل ابن اثیر، ج:4، ص:132)

سیاسی ظلم وستم کے علاوہ یہ لوگ عام دینی معاملات میں بھی انحراف پسند ہو گئے تھے۔ نمازوں میں تاخیر ان کا معمول تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:9، ص:89)

جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے۔ (الکامل ابن اثیر ج:4، ص:119)

عید کی نماز کا خطبہ نماز عید سے پہلے دیتے تھے۔ (طبری، ج:6، ص:26، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:258، ج:10، ص:30-31، الکامل ابن اثیر، ج:4، ص:300)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

بخاری کتاب الذبائح باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ میں ہشام بن زید سے روایت ہے کہ میں انس رضی اللہ عنہ اپنے دادا، کے ساتھ حکم بن ایوب کے پاس گیا۔ وہاں لڑکوں یا نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ مرغی کو باندھ کر اس پر تیراندازی کر رہے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح باندھ کر جانوروں پر نشانہ بازی سے منع فرمایا ہے۔

اس کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حکم بن ایوب حجاج ظالم کا چچا زاد بھائی تھا اور بصرے میں اس کا نائب تھا۔ یہ بھی حجاج کی طرح ظالم تھا۔

مسلم کتاب الجمعہ میں روایت ہے کہ کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے اور ام الحکیم کا بیٹا عبدالرحمٰن بیٹھ کر جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا تو انہوں نے کہا اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھے بیٹھے جمعہ کا خطبہ پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور جب دیکھتے ہیں کسی تجارت یا کھیل کو تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور

تجھ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔"

کتاب الجمعہ میں ہی عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بشر بن مروان کو دیکھا کہ منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے ہیں دعا کیلئے، تو عمارہ نے کہا اللہ خراب کرے ان دونوں ہاتھوں کو میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے زیادہ نہ کرتے تھے اور اشارہ کیا انگشت شہادت سے۔

یہی روایت نسائی **کتاب الجمعہ باب الاشارہ فی الخطبہ** میں بھی عمارہ بن رویبہ سے آئی ہے۔

بخاری کتاب الجمعہ باب اذا اشتد الحریوم الجمعہ میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم دور نبوی میں جب سخت سردی ہوتی تو جمعہ جلدی پڑھتے تھے اور جب سخت گرمی ہوتی تو جمعہ ٹھنڈے وقت پڑھتے۔

اس روایت کی شرح میں علامہ وحید الزماں قسطلانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جس امیر کا جمعہ پڑھانے کا ذکر اس میں ہے اس کا نام حکم بن ابی عقیل ثقفی تھا۔ یہ حجاج ظالم کا چچا زاد بھائی اور نائب تھا اور حجاج مردود کی طرح یہ بھی خطبے کو اتنا لمبا کرتا تھا کہ نماز کا اخیر وقت ہو جاتا۔ بعد میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ولید بن عبدالملک خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے خطبہ اتنا طویل کیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا۔ ایک تابعی زیاد بن جاریہ التمیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آیا جس نے نمازوں کے اوقات تبدیل کئے ہوں اور سورج بھی آپ کا انتظار نہیں کرتا۔ اللہ کا خوف کرو اور نماز جمعہ جلدی پڑھاؤ۔ ولید نے کہا تم نے بات درست کی مگر تمہارا مقام یہ نہیں ہے۔ اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا، انہوں نے تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا اسے شہید کر کے سر لا کر مسجد میں پھینک دیا۔

(الاصابہ نمبر شمار 3006، ج:3، ص:49، ابن عبدربہ، العقد الفرید، ج:1، ص:62)

یہ کام ولید سے پہلے سے شروع تھا۔ مروان بن الحکم نے اپنے گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو اس قصور پر لات ماردی کہ انہوں نے اس کی ایک

بات پر کہہ دیا تھا کہ آپ نے یہ بری بات کہی ہے۔(الاستیعاب ابن عبدالبر، ج:1،ص:353)

حجاج بن یوسف کو ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ لمبا کرنے اور نماز جمعہ میں حد سے زیادہ تاخیر پر ٹوکا تو حجاج نے کہا ''میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں، اس پر ضرب لگاؤں۔''

الاستیعاب، ج:1،ص:369، طبقات ابن سعد، ج:4،ص:184 پر بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ ملتا ہے۔

ولید بن یزید بن عبدالملک

بنو امیہ کی برائیوں کا نقطہ عروج یہ شخص ولید بن یزید بن عبدالملک تھا۔ یہ نہایت بدکار، فاسق، شرابی اور حرامکاریوں کا مرتکب تھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب نوشی کروں۔ جب اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور اس کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکایا گیا تو اس کے بھائی سلیمان بن یزید بن عبدالملک نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص بہت بڑا شرابی، سخت بے شرم اور نہایت فاسق تھا بلکہ مجھ سے بھی اغلام بازی کرنا چاہتا تھا۔

جب ولید نے باغیوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم مجھ کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو تو انہوں نے کہا تو نے شراب نوشی کی، اللہ کے حرام کو حلال کیا، سوتیلی ماؤں سے نکاح کیا اور اللہ کے احکام کی حقارت کی۔

کتاب مسالک میں ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ ولید بن یزید ظالم، سرکش، بے راہ، جھوٹے وعدے کرنے والا، اپنے زمانہ کا فرعون، زمانے بھر کا عیب دار، قیامت میں اپنی قوم کو جہنم لے جانے والا، اپنی قوم کیلئے باعث شرم، ہلاک ہونے والا، قرآن پاک کو تیروں سے چھیدنے والا، فاسق و فاجر تھا۔'' (تاریخ الخلفاء، اردو، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، ص:316 تا 318 مختصراً)

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد وبارك وسلم وعلیٰ سائر الانبیاء و المرسلین